جیرال
زلزلے کا فرار
اشتیاق احمد
www.facebook.com/ishtiaq ahmad novels scan by me

1270

Mamood Farooq & Ferzana & Inspecter Jumshed Series

by

محمود فاروق فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

زلزلے کا فرار

اشتیاق احمد

بار اول : ستمبر ۱۹۸۱ء
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز۔ لاہور
قیمت : ۵/- روپے
کتابت : اشفاق زاہد

مکتبہ اشتیاق۔ راجپوت مارکیٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

Two Talks

دو باتیں

زلزلے کا فرار کے بعد آپ خاص نمبر کے لیے بے چین ہوں گے جب کہ میں اسے تیار کرنے کے سلسلے میں حد درجے بے چین ہوں۔ اس طرح دیکھا جائے تو سبھی متعلق لوگ بے چین قرار پائیں گے، لیکن یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ ہر کام اطمینان اور سکون سے تکمیل کے مراحل طے کرے، لیکن اس دور میں سکون اور اطمینان کہاں، تین ناول ہر ماہ لکھو، سینکڑوں خطوط پڑھو، ان کے جوابات لکھواؤ، ایسے خطوط شائع کرو، جن پر تنقیدی خط کی چھاپ لگی ہو، لیکن اندر وہ تمام باتیں لکھی گئی ہوں، جن کا تعلق اور تو سب باتوں سے ہو سکتا ہے، تنقید سے ہرگز نہیں، ایسے خط شائع نہ کرو تو بزدل اور وغیرہ وغیرہ کہلاؤ۔ اب میں وغیرہ وغیرہ کی تشریح کیا کروں کہ شائستہ زبان میں اس کی گنجائش نہیں۔ آپ خود ہی سوچیے کہ ان حالات میں سکون اور اطمینان کہاں سے میسر آ سکتا ہے، لہٰذا بے سکونی اور بے اطمینانی اور بے چینی کی پیداوار جو کچھ بھی ہو سکتی ہے، آپ کی نذر کیے جا رہا ہوں اور یہ آپ کی مہربانی ہے کہ اسے والہانہ جوش و خروش سے قبول کیے جا رہے ہیں۔

اشتیاق احمد

ترتیب

پانچ زندگیاں

سپرنٹنڈنٹ جیل احسان رازی دروازے کی گھنٹی کی آواز سن کر چونک اٹھے. ملاقات کا وقت لیے بغیر کوئی ان سے ملنے نہیں آتا تھا. اور آج ان کی کسی سے ملاقات طے نہیں تھی، پھر یہ کون تھا جس نے گھنٹی بجائی تھی۔

وہ اس وقت اپنی بیوی تسلیم خانم اور بچی کوثر احسان کے ساتھ شام کی چائے پی رہے تھے۔ انہوں نے چائے کا کپ نیچے رکھتے ہوئے ملازم کو آواز دی:

"شاکر.... ذرا دیکھنا دروازے پہ کون ہے؟"

"جی بہتر!" کسی کمرے سے ملازم کی آواز سنائی دی اور پھر انہوں نے اس کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔ جلد ہی وہ ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے بولا:

"سرکار! ایک عورت آپ سے ملنے آئی ہے۔"

"عورت..... کیا نام بتایا ہے اس نے، کیا تم نے اسے بتایا نہیں کہ میں صرف ان لوگوں سے ملاقات کرتا ہوں جو پہلے سے وقت لے

لیتے ہیں۔"

"جی ہاں! میں نے بتا دیا تھا، لیکن اس کا کہنا ہے کہ اسے اچانک ہی ایک کام آ پڑا ہے اور چونکہ اسے رات کے جہاز سے ملک سے باہر جانا ہے، اس لیے ملاقات کے لیے وقت لینے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔" شاکر نے بتایا۔

"ہوں! خیر.... اسے یہیں لے آؤ.... اب کون یہاں سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں جائے۔" احسان رازی نے کہا اور ملازم ایک بار پھر دروازے کی طرف چلا گیا۔ ایک منٹ بعد ہی وہ ایک لمبے قد کی پتلی دبلی عورت کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور ان میں تیز چمک تھی۔ شکل وصورت سے بہت تیز طرار نظر آتی تھی، لباس بہت ٹھاٹ دار تھا۔

"تو آپ ہی ہیں احسان رازی صاحب!"

"جی ہاں! اور آپ کا کیا نام ہے، مجھ سے کیا کام آ پڑا ہے۔"

"میرا نام ساحرہ درانی ہے، میں آپ سے ایک قیدی کے بارے میں بات کرنے آئی ہوں۔" اس نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"میں کسی قیدی کے بارے میں کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا۔"

احسان رازی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"لیکن جس قیدی کے بارے میں میں بات کرنے آئی ہوں، آپ اس کے بارے میں ضرور بات کرنا پسند کریں گے۔" ساحرہ درانی بھرپور انداز میں مسکرائی۔

"کیا مطلب؟ آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں بات کرنا پسند کروں گا۔"

"پہلے تو مجھے یہ بتا دیں، کہ اس گھر میں آپ لوگوں اور اس ملازم کے علاوہ کوئی اور تو نہیں ہے۔" ساحرہ نے عجیب سوال کیا۔

"کیوں؟ آپ کو اس سے کیا۔" احسان رازی نے کسی قدر حیران ہو کر پوچھا۔

"میں چاہتی ہوں، آپ مجھ سے تنہائی میں بات کریں۔" یہ کہہ کر وہ دو قدم آگے بڑھی اور بے تکلفی سے ایک کرسی کھینچ کر کوثر احسان کے پاس بیٹھ گئی۔

"میں نے تم سے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔" احسان رازی چمک کر بولے....

"اب میں کھڑی بھی تو باتیں نہیں کر سکتی.... فکر نہ کریں، آپ کی کرسی ٹوٹے گی نہیں۔" اس نے پھر مسکرا کر کہا۔

"آخر آپ چاہتی کیا ہیں۔" اس مرتبہ احسان رازی نے تقریباً چلا کر کہا۔

"اگر آپ تنہائی میں بات کرنا نہیں چاہتے تو پھر میں یہیں بات کرنے پر مجبور ہوں۔" وہ بولی۔

"جلد کہیے کیا بات ہے، آپ تو مجھے کچھ پاگل لگتی ہیں۔" احسان

رازی نے تنک کر کہا۔

"نہیں! کم از کم میں پاگل نہیں ہوں، فکر نہ کریں.... اب سنیے، میں ایک قیدی کو رہا کرانا چاہتی ہوں، اس کے بدلے میں آپ جو بھی رقم کہیں، میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں.... رقم نقد کی صورت میں ادا کی جائے گی، باہر میری کار کھڑی ہے اور اس کی ڈگی نوٹوں کی گڈیوں سے بھری پڑی ہے..... آپ کو کرنا صرف یہ ہو گا کہ اسی وقت جا کر اس قیدی کو اپنی جیپ میں بٹھا کر یہاں لے آئیں - میں ڈگی خالی کر دوں گی اور خالی جگہ میں اس قیدی کو بٹھا کر لے جاؤں گی، کہیے..... کب یہ سودا منظور ہے؟"

"میں نے آج تک ایسا سودا کبھی نہیں کیا؟"

"دیکھ لیجیے جیلر صاحب، اتنی دولت آپ نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہو گی اور نہ کبھی دیکھ سکیں گے، حقیقت میں حاصل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میں نے رشوت کبھی نہیں لی....؟" وہ بولے۔

"خیر! اگر آپ کو یہ سودا منظور نہیں تو پھر ایک دوسری صورت بھی ہے، شاید آپ اسے منظور کر لیں۔"

"دوسری صورت.... کیا مطلب؟"

"دوسری صورت کا مطلب دوسری صورت ہی ہوتا ہے تیسری نہیں۔"

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں.... مہربانی فرما کر جلد کہیے، میری پریشانی میں اضافہ ہو رہا ہے، اگر آپ عورت ذات نہ ہوتیں تو میں اب تک پولیس کو فون کر چکا ہوتا یا بیرونی دروازے پہ موجود محافظ کو بلا چکا ہوتا۔"

"میں آپ کو ان دونوں کاموں سے روکوں گی نہیں، آپ بڑے شوق سے پولیس کو فون کر دیں اور محافظ کو بھی بلا لیں، لیکن آپ کو میری بات پوری سننا ہی پڑے گی۔"

"وہ کیسے.... تم مجھے کس طرح مجبور کر سکتی ہو؟" اس مرتبہ احسان رازی کو غصہ آ گیا اور انہوں نے اسے آپ کی بجائے تم کہہ کر مخاطب کر ڈالا۔

"بہت آسانی سے، یہ ذرا بھی مشکل نہیں.... انکار کر کے دیکھیں، پھر میں آپ کو مجبور کر دوں گی۔"

"تمہارا دماغ ضرور چلا ہوا لگتا ہے اور ایسے دماغوں کا علاج کرنا مجھے آتا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے تپائی پہ رکھے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا، ابھی انگلی نمبر گھمانے کے لیے رنگ میں داخل کی ہی تھی کہ ان کی آنکھیں حیرت میں پھیل گئیں.... ٹیلی فون کام نہیں کر رہا تھا۔

"اور اب آپ کیا کریں گے؟" ساحرہ مسکرائی۔

"شیر باز خان..... فوراً اندر آؤ.... اور ان محترمہ کو دھکے دے

کر باہر نکال دو۔"

"اس کام کے لیے تو آپ کا یہ ملازم بھی کافی ہے، آپ نے اس سے کیوں نہیں کہا۔"

"یہ میرے بنگلے کا باورچی ہے، محافظ نہیں۔" انہوں نے کہا اور پھر حیران ہو کر دروازے کی طرف دیکھا، کیونکہ ابھی تک شیر باز خان نہیں آیا تھا۔

"شیر باز خان!" وہ پوری قوت سے چلائے، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اب تو احسان رازی گھبرائے۔ انہوں نے جلدی سے کہا۔

"شاکر.... دروازے پر جا کر دیکھیں.... اسے کیا ہوا ہے۔"

"شاکر کو بھیج کر بھی کچھ فائدہ نہیں ہوگا، محافظ باہر بنچ پر گہری نیند سو رہا ہے۔" ساحرہ درانی نے کہا۔

"وہ آج تک کبھی نہیں سویا۔"

"اچھا تو پھر شاکر کو بھیج کر پتا کرا لیں۔"

"شاکر! تم نے سنا نہیں۔" احسان رازی چلائے اور شاکر دوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔ اب احسان رازی، ان کی بیگم اور بچی کوثر احسان کافی پریشان ہو گئے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جلد ہی شاکر بدحواسی کے عالم میں آتا نظر آیا، اس کے پیچھے ایک اور آدمی تھا۔ یہ بھی لمبے قد کا سرخ رنگ کا آدمی تھا، آنکھیں نیلے رنگ کی تھیں۔

"یہ کیا.... یہ تم شیر باز خان کو ساتھ لائے ہو۔" احسان رازی حلق پھاڑ کر چلائے، غصے نے ان کا برا حال کر دیا تھا۔

"بس.... سرکار!" شاکر کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا.... اور پھر وہ اس طرح خاموش ہو گیا جیسے زبان میں بولنے کی طاقت ہی نہ رہی ہو۔

"کیا ہو گیا تمہیں، بتاتے کیوں نہیں، یہ کون ہے؟"

"میں بتاتا ہوں جناب.... مجھے اکرم درانی کہتے ہیں...."

"اکرم درانی.... گویا تم بھی اس عورت کے ساتھی ہو۔"

"یہی سمجھ لیں۔" وہ مسکرایا۔

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔" احسان رازی نے پیچ و تاب کھا کر کہا۔

"صرف یہ کہ آپ اس قیدی کے بارے میں ہم سے سودا کر لیں.... ہم بڑی سے بڑی رقم آپ کو دینے کے لیے تیار ہیں.... رقم اگر نوٹوں کی صورت میں منظور نہیں تو سونے کی صورت میں دی جا سکتی ہے.... جیلر صاحب.... آپ کی آئندہ نسلیں بھی عیش کریں گی۔"

"مجھے حرام کی دولت کا کوئی شوق نہیں، اب تم دونوں چلتے پھرتے نظر آؤ.... میں تمہارے ساتھ بس اتنی ہی نرمی کر سکتا ہوں کہ تمہیں پولیس کے حوالے نہ کروں۔" احسان رازی نے

ہارے ہوئے جواری کے لہجے میں کہا۔
"وہ تو آپ ویسے بھی گرفتار نہیں کرا سکتے، آپ کے فون کے تار کاٹ دیے گئے ہیں.... محافظ شیر باز خان کو بیہوش کر دیا گیا ہے.... لہٰذا ان حالات میں آپ کر ہی کیا سکتے ہیں؟"
"میں تم دونوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا سکتا ہوں.... تم نے سمجھ کیا رکھا ہے؟" یہ کہہ کر انہوں نے تلملاتے ہوئے پیٹی میں سے پستول لیا اور ان دونوں کی طرف تان دیا۔
"تم ہاتھ اوپر اٹھا دو...."
"ہمیں افسوس ہے، آپ کی یہ خواہش پوری کرنا ہمارے اختیار میں نہیں۔"
"بکواس مت.... اگر تم نے ہاتھ اوپر نہ اٹھائے تو میں فائر کر دوں گا اور پھر نتیجے کی ذمہ داری خود تم دونوں پر ہو گی۔"
"تو پھر جیلر صاحب.... فائر کر ہی دیں...." اکرم درانی ہنسا۔
اب احسان رازی کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ انہوں نے نشانہ لیا اور پہلے اکرم درانی پر فائر کیا۔ گولی اس کے سینے پر لگی، لیکن یہ دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی کہ وہ اسی طرح صحیح سلامت کھڑا مسکرا رہا تھا، گولی نے اس کا بال بھی بیکا نہیں کیا تھا.... ہاں اس کے لباس میں ضرور سوراخ ہو گیا تھا اور گولی اچٹ کر فرش پر آ گری تھی۔ انہوں نے

اس منظر کو بوکھلا کر دیکھا.... پھر احسان رازی نے سنبھل کر کہا۔
"تو تم نے کپڑوں کے نیچے بلٹ پروف پہن رکھے ہیں...؟"
"ہاں! مطلب یہ ہے کہ آپ نہ تو پولیس کی مدد لے سکتے ہیں، نہ اپنے پستول سے ہمارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں.... لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہماری بات مان لیں۔"
"لیکن ابھی میرے ہاتھ پیر سلامت ہیں.... اور میں تمہارے مقابلے میں کمزور نہیں پڑوں گا۔" یہ کہہ کر وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پستول ان کی بیگم نے سنبھال لیا۔ کوثر کا چہرہ تن گیا تھا۔ احسان رازی اٹھتے ہی اکرم درانی پر حملہ آور ہوئے، انہوں نے دائیں ہاتھ کا ایک بھرپور مکا اس کی ٹھوڑی پر دیا، مگر یہ مکا اس کے کندھے کے پاس سے نکل گیا، ساتھ ہی ان کے جبڑے پر ایک مکا لگا اور ان کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے، جبڑا پکڑتے ہوئے وہ فرش پر بیٹھ گئے:
"جیلر صاحب! بہتر ہو گا کہ ٹھنڈے دل سے ہماری بات سن لو.... یہ بات اب تم پر واضح ہو چکی ہو گی کہ کسی قسم کی کوئی مدد تم حاصل نہیں کر سکتے.... تم اس پر مجبور ہو کہ ہماری بات مان لو۔"
"ہرگز نہیں۔" احسان رازی تلملا کر بولے۔
"تم اپنے ہتھیار اور طاقت استعمال کر چکے، ہماری باری ابھی

باقی ہے، جیلر صاحب اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ.... دیکھو.... ساحرہ کے ہاتھ میں کیا ہے۔"

اٹھنے سے پہلے انہوں نے چونک کر ساحرہ کی طرف دیکھا، اس کے ہاتھ میں ایک عجیب وضع کا پستول تھا.... سبز رنگ کا ننھا سا پستول۔ انہوں نے اکرم درانی کو کہتے سنا:

"اس پستول کا ٹریگر دبانے پر اس کی نالی سے ایک نیلے رنگ کی انتہائی باریک شعاع نکلتی ہے.... شعاع کی رفتار بجلی کی رفتار جتنی ہے۔ جس چیز پر بھی یہ شعاع پڑ جائے، اسے جلا کر رکھ دیتی ہے، تمہارے آتش دان پر اس وقت پتھر کا ایک بت موجود ہے، ساحرہ تجربے کے طور پر اسے نشانہ بنا کر دکھائے گی۔" اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی سبز پستول سے نیلی شعاع نکلی اور بت سے ٹکرائی۔ دوسرا لمحہ تھرا دینے والا تھا، بت کی جگہ انہیں دھواں سا نظر آیا اور جب یہ دھواں غائب ہوا تو بت بھی غائب تھا۔

"تم نے دیکھا جیلر صاحب! بیچارہ بت دھوئیں میں تبدیل ہو گیا، یہ تو حال ہے پتھر کے بت کا، تم لوگ تو پھر گوشت پوست کے آدمی ہو، گوشت اور ہڈیوں کو تو یہ پستول پانی بنا دیتا ہے، مثال کے طور پر اگر میں تم پر فائر کروں تو تمہارے جسم کے اردگرد دھواں پھیل جائے گا اور جب یہ دھواں چھٹے گا تو تم اس

کمرے کے فرش پر پانی کی صورت پھیلے ہوئے ہو گے، البتہ تمہارے کپڑے ضرور بچ جائیں گے.... لیکن پانی بن جانے والا جسم کپڑے نہیں پہن سکتا۔" اکرم درانی کے لہجے سے بے رحمی ٹپک رہی تھی۔ احسان رازی نے اس لمحے اپنے جسم سے جان نکلتے محسوس کی۔ ان کی بیگم اور بیٹی کا رنگ تو بہت پہلے اڑ چکا تھا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"صرف اس قیدی کی رہائی.... اب قیدی کو رہا کرنے کے بدلے ڈھیروں نوٹ حاصل کرنے کا وقت گزر چکا، کیونکہ تم نے ہم پر ہاتھ اٹھایا ہے، اب تو تم اس قیدی کو ہمارے حوالے کر کے اپنی اور اپنی بیوی بچی کی جان بچا سکتے ہو اور ساتھ میں ان دونوں ملازموں کی بھی۔" ساحرہ نے سفاک لہجے میں کہا، پھر اکرم درانی کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔

"شیر باز خان کو برآمدے میں نہیں پڑے رہنا چاہیے، یا تو اسے اٹھا کر کسی کمرے میں بند کر دو یا پھر پانی بنا کر بہا دو۔"

"اچھا! فی الحال ہم اسے بند کر دیتے ہیں، اگر قیدی کو ہمارے حوالے نہ کیا گیا تو پھر ان سبھی کو پانی میں تبدیل کرنا ہو گا۔"

"نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"تو پھر اس کی ایک ہی صورت ہے، قیدی کو جیل کی کوٹھڑی سے نکال کر یہاں لے آؤ۔"

"لیکن ذرا سوچو.... میں یہ کام کس طرح کر سکتا ہوں.... کیا

میری حکومت مجھے معاف کر دے گی۔"

"یہ تمہاری، تمہاری بیوی کی اور تمہاری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے اور دونوں ملازموں کی بھی.... پانچ زندگیوں کو بچا لو یا پانچوں کو موت کے منہ میں دھکیل کر اس قیدی کو بچا لو، ویسے ہم جانتے ہیں، تمہارے لیے اس قیدی کو جیل سے نکال کر لانا کچھ بھی مشکل نہیں ہوگا، آخر تم سپرنٹنڈنٹ جیل ہو، تم سے کون یہ پوچھ سکتا ہے کہ فلاں قیدی کو نکال کر کہاں لے جا رہے ہیں.... اور تمہارا بنگلہ جیل کی دیوار سے ملا ہوا ہے، ایک دروازہ اندر کی طرف بھی کھلتا ہے، تم اس دروازے سے جاؤ اور اسی سے قیدی کو لے کر واپس آؤ۔ یہاں سے اسے ہم خود لے جائیں گے۔"

"مجھے افسوس ہے، میں یہ نہیں کر سکتا" احسان رازی نے کہا "میں اپنے فرض سے غداری نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر سنو.... اس طرح تم پانچوں تو اپنی جان سے جاؤ گے ہی، قیدی کو ہم پھر بھی نکال لے جائیں گے اور اس طرح تمہاری یہ قربانی بھی کسی کام نہیں آئے گی" ساحرہ بولی۔

"وہ کیسے؟" احسان رازی نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"تمہیں اس پستول کی شعاع سے پانی میں تبدیل کرنے کے بعد میں تمہارے کپڑے پہن کر اور اپنے چہرے پر تمہارے

چہرے کا میک اپ کر کے اندرونی دروازے سے جیل میں جاؤں گا اور قیدی کو نکال لاؤں گا، اگر راستے میں کوئی الجھن پیش آئی تو اس الجھن کو یہ ننھا سا پستول حل کر دے گا۔"

"اوہ!" احسان رازی بھونچکے رہ گئے.... انہوں نے دل ہی دل میں کہا، گویا میری قربانی کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یہ قیدی کو ہر حال میں نکال لے جائیں گے.... آخر انہوں نے کہا۔

"تم کچھ بھی کہو، میں اپنے فرض سے غداری نہیں کر سکتا۔"

"بہت اچھا.... تو پھر میں سب سے پہلے تمہاری بیٹی کو نشانہ بناؤں گی۔"

"نن.... نہیں....!" احسان رازی اور بیگم رازی چلا اٹھے.... کوثر تھر تھر کانپنے لگی.... ساحرہ کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالتی محسوس ہوئی۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو.... میں اس قیدی کو لانے کے لیے تیار ہوں، بتاؤ، وہ قیدی کون ہے" وہ چلا اٹھے۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات! پہلے میں شیر باز خان کا انتظام کر آؤں" یہ کہہ کر اکرم درانی کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس نے شیر باز کو کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ اسے فرش پر پھینکتے ہوئے بولا:

تو پھر جاؤ جیلر صاحب! ہم یہیں تمہارا انتظار
کریں گے.... اگر تم نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو
سن لو، تم اپنی بیٹی کی لاش بھی نہیں دیکھ سکو گے،
اسے دفن بھی نہیں کر سکو گے، کیونکہ بہہ جانے والی چیز
کو دفن کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے..... تمہارے جانے
کے فوراً بعد ہم میں سے ایک تمہاری بیٹی کو لے کر
باہر کہیں چھپ جائے گا، اگر تم قیدی کو نکال کر نہ لائے
اور پولیس یا کسی اور کو اطلاع دینے کی کوشش کی تو اس
صورت میں بیٹی کو زندہ نہیں دیکھ سکو گے، باقی رہے
ہم، ہم اتنی آسانی سے گرفتار ہونے والے نہیں....
قیدی کو لانے کی صورت میں بھی ہم اپنی گاڑی میں تمہاری
بیٹی کو ساتھ لے جائیں گے تاکہ تم ہمارے یہاں سے جاتے
ہی پولیس کو فون نہ کر سکو.... ہمارے یہاں سے روانہ ہونے
کے آدھ گھنٹے بعد تمہاری بیٹی شہر کے کسی حصے میں چھوڑ دی
جائے گی، وہاں یہ کسی رکشے ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر آ جائے
گی، لیکن تم نے پولیس کی مدد لینے کی کوشش کی تو آدھ گھنٹہ
تو کیا، یہ کبھی بھی واپس نہیں آئے گی۔"

اکرام درانی کے الفاظ نے کمرے پر موت کا سناٹا
طاری کر دیا۔ اس لمحے احسان رازی نے محسوس کیا، وہ زندگی

میں اس سے برا کبھی نہ پھنسے ہوں گے... آخر انہوں نے
خود کو سنبھالتے ہوئے کہا:

"قیدی کا نام بتاؤ..... اور یہ بھی کہ وہ کب قید ہوا تھا،
اس نے کیا جرم کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے، ہم اس کا نام بتائیں گے، اس کے بارے
میں باقی معلومات بھی ہمارے پاس موجود ہیں..... سنو.....
اس کا نام....."

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ
سب ایک ساتھ چونکے۔ ساحرہ اور اکرم درانی نے سوالیہ نظریں
احسان رازی پر جما دیں۔

"مجھے نہیں معلوم... کون ملنے آیا ہے، میری کسی سے
ملاقات طے نہیں۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"خیر.... یہ تو دیکھنا ہی ہو گا کہ دروازے پر کون ہے
.... میں تمہارے پیچھے جاؤں گا، شعاعی پستول میرے ہاتھ میں
ہو گا، ادھر ساحرہ یہاں پستول تانے موجود ہو گی۔"

"تو کیا تمہارے پاس بھی شعاعی پستول موجود ہے۔"

"ہاں ہے.... اور وہ ہم ایسے ہی کسی موقعے کے لیے ساتھ
لائے تھے۔" ساحرہ نے مسکرا کر کہا۔

"مسٹر احسان رازی! ہم دونوں تمہارے گھر میں مہمان ٹھہرے

ہوئے ہیں..... یہ بات یاد رکھنا..... ملاقاتی اگر مجھے دیکھ لے تو تم اسے یہی بتاؤ گے۔"

"ہوں..... ٹھیک ہے۔"

احسان رازی نے کہا اور دروازے کی طرف چل پڑے، اکرم درانی ان کے بالکل ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کا ہاتھ جیب میں تھا، جیب میں پستول تھا اور پستول کی نالی احسان رازی کی کمر کو چھو رہی تھی۔

گڑبڑ

"لاحول ولا قوۃ۔" فرزانہ نے جھلاہٹ کے انگارے چباتے ہوئے کہا۔

"تمہارا خیال غلط ہے، ہم دونوں شیطان ہرگز نہیں ہیں اور اگر شیطان ہیں تو پھر تم بھی....." فاروق کہتے کہتے رک گیا، پھر محمود کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"یار محمود! شیطان کی مونث کیا ہوتی ہے؟"

"غالباً شیطانہ ہوتی ہے، تم تو جانتے ہی ہو، میں اردو گرامر میں بہت تیز ہوں اور میرا خیال غلط نہیں ہو سکتا۔"

"مجھے شیطانہ کہنے کی کوشش نہ کرنا، اور یہ جو میں نے لاحول ولا قوۃ پڑھا ہے نا، یہ تم پہ نہیں پڑھا۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تو کیا ہمارے علاوہ بھی اس وقت کمرے میں کوئی اور ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! ہیں... کم از کم ہمارے فرشتے تو ضرور یہاں موجود

ہیں، لیکن بھلا فرشتے کیوں بھاگنے لگے اور فرشتوں کو فرزانہ بھگانے
کیوں لگی۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"توبہ ہے تم سے، ارے بابا، ان میں سے کوئی بات بھی نہیں
ہے۔" فرزانہ جل بھن اٹھی۔

تینوں اپنے کمرے میں تھے۔ شام کی چائے پی چکے تھے....
پائیں باغ والی کھڑکی کھلی تھی۔ اس میں سے پھولوں سے لدی
خوشبو اندر آ رہی تھی۔ آج انہوں نے چائے انسپکٹر جمشید کے بغیر
پی تھی، وجہ اس کی یہ تھی کہ انہیں چائے کی کسی پارٹی میں جانا
تھا۔ چائے پی کر وہ اپنے کمرے میں آئے ہی تھے کہ فرزانہ
نے لاحول پڑھی تھی۔ ان کی بلی سومی ایک کونے میں بیٹھی سر اوپر
اٹھائے انہیں باتیں کرتے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر کن میں سے کوئی بات ہے۔" فاروق نے شریر لہجے
میں کہا۔

"ڈرائنگ کی کاپی۔" فرزانہ نے نامکمل جملہ بولا۔

"ڈرائنگ کی کاپی.... کیا مطلب.... کیا تم اپنی ڈرائنگ
کی کاپی پہ جھلا رہی ہو، لیکن اس غریب نے کیا قصور کیا۔" محمود
کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہائیں ہائیں، تم میری کاپی کو غریب کہنے والے کون ہوتے
ہو۔"

"لو.... اب کاپی بھی امیر اور غریب ہونے لگی، اچھا بابا....
چلو تمہاری کاپی امیر سہی، سوال یہ ہے کہ کاپی کا کیا مسئلہ
ہے...."

"مسئلہ یہ ہے کہ کاپی پر میری نظر ابھی ابھی پڑی ہے
اور یہ میری کاپی ہرگز نہیں ہے، مطلب یہ کہ میری کسی کلاس
فیلو سے بدل گئی ہے۔"

"ارے کیسے بدل گئی، تم اپنی کاپی کو سمجھاتی کیوں نہیں کہ
بدلا نہ کرے۔" فاروق شوخ لہجے میں بولا۔

"کاپیاں چیکنگ کے لیے مس کے پاس جمع تھیں، چیک کرنے
کے بعد انہوں نے تمام کاپیاں میز پر رکھوا دی تھیں اور کہہ دیا
تھا کہ چھٹی کے وقت اپنی اپنی کاپی اس ڈھیر میں سے لے لینا،
بس ڈھیر میں سے میں نے غلط کاپی اٹھا لی۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"مجھے رات کو بیٹھ کر ڈرائنگ کرنا ہے.... کل اگر ڈرائنگ کا کام کیے بغیر گئی
تو مس خوب خبر لیں گی اور یہ تو تم جانتے ہی ہو، خوب خبر
دینا ہماری عادت نہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے.... تو پھر تم ایسا کرو کہ اس کاپی پر لکھا
ہوا نام پڑھ لو، جس کی بھی یہ ہو، اس سے جا کر تبدیل کر
لاؤ۔" محمود نے مشورہ دیا۔

"بہت بہت شکریہ! میں یہی کروں گی، اتنی عقل مجھ میں
بھی ہے۔" اس نے پیر پٹخ کر کہا اور ڈرائنگ کی کاپی اٹھا
کر نام پڑھا۔

"کوثر احسان رازی سنٹرل جیل، جیل روڈ۔"

"اوہو! یہ تو سپرنٹنڈنٹ جیل احسان رازی کی بیٹی کوثر
کی ہے....."

"کیا وہ تمہاری سہیلی ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"نہیں تو..... محمود تم مجھے اپنی موٹر سائیکل پر کوثر کے
گھر تک لے چلو۔"

"نہ بابا... مجھے جیل اور جیل کے آس پاس سے بہت ڈر
لگتا ہے۔" محمود نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"فاروق! محمود تو بالکل ڈرپوک ہے، تم مجھے لے چلو۔"

"مجھے سپرنٹنڈنٹ جیل سے بہت خوف آتا ہے، کہیں پکڑ کر
جیل میں بند نہ کر دے۔" فاروق نے کانپ کر کہا۔

"میں نے اتنے بزدل بھائی پہلے کبھی نہیں دیکھے۔" فرزانہ
بولی۔

"ارے! کمال ہے، اتنے عرصے سے تو ہمیں دیکھ رہی
ہو۔" محمود نے کہا۔

"اور کیا.... فرزانہ تم یوں کیوں نہیں کرتی کہ کسی رکشے میں

بیٹھ کر چلی جاؤ اور کاپی تبدیل کر کے رکشے میں واپس آ جاؤ۔" فاروق
نے مشورہ دیا۔

"شکریہ! میں یہی کروں گی.... ابا جان آئیں گے تو انہیں بتاؤں
گی کہ میں نے کیا کیا ہے.... گھر میں دو دو موٹر سائیکلوں کے ہوتے
ہوئے۔" فرزانہ نے بھنّا کر کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے ارے.... تم تو شاید ناراض ہو گئیں، میں تو مذاق
کر رہا تھا، جیل اور اس کے آس پاس کا علاقہ تو مجھے بہت
خوبصورت لگتا ہے، کیونکہ جیل میں مجرم بند ہوتے ہیں جو ہمارے
اور ہمارے ملک کے دشمن ہیں..... چلو میں خود تمہیں لے کر چلتا
ہوں۔"

"نہیں نہیں، فرزانہ کو لے کر میں جاؤں گا، کیونکہ مجھے جیل
کے سپرنٹنڈنٹ بہت اچھے لگتے ہیں۔" فاروق نے بھی جلدی سے
اٹھتے ہوئے کہا اور فرزانہ کو بے تحاشہ ہنسی آ گئی۔

"اب میں تم دونوں کے ساتھ تو جانے سے رہی۔"

"خیر تو ایسا کر لیتے ہیں، ایک کے ساتھ ادھر سے جاؤ،
دوسرے کے ساتھ ادھر سے واپس آؤ۔"

"لیکن دو موٹر سائیکلوں کا پٹرول خرچ کرنے کی کیا تک
ہے۔"

"تک اور بے تک کو چھوڑو.... بس نکل چلو، کہیں ابا جان

نہ آجائیں، تم تو ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑو گی۔"

"اچھا بابا چلو..... لیکن ٹھہرو پہلے امّی کو بتا دیں۔"

تھوڑی دیر بعد دو عدد موٹر سائیکلیں جیل روڈ کی طرف جا رہی تھیں، فرزانہ محمود کے ساتھ تھی۔ فاروق ان کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا تھا۔ فرزانہ نے کاپی بغل میں دبا رکھی تھی۔

"میرا خیال ہے، ہم تینوں کو ایک کاپی لے کر کوثر کے سامنے نہیں جانا چاہیے۔" فرزانہ بول پڑی۔

"ہاں واقعی..... ہمیں کم از کم تین کاپیاں لے کر آنا چاہیے تھا، بڑی غلطی ہوئی۔" فاروق نے افسوس ظاہر کیا۔

"تم تو ہر بات کو مذاق میں اڑا دیتے ہو، میرا مطلب یہ تھا کہ تم دونوں ذرا فاصلے پر رک جانا، میں اکیلی کوثر کے بنگلے تک جاؤں گی۔"

"ہاں! ٹھیک تو ہے، اگر اس نے کہیں تمہیں چائے پانی کے لیے روک لیا تو ہم باہر کھڑے سوکھ تو سکیں گے، بہت عرصہ ہوگیا نا سوکھے ہوئے۔" فاروق بولا۔

"بات تو فاروق کی بھی ٹھیک ہے۔" محمود نے کہا۔

"نہیں ٹھیک ہے نا..... میں وہاں چائے پانی نہیں پیوں گی، فوراً واپس آجاؤں گی..... یا پھر محمود میرے ساتھ رہے..... تم ذرا فاصلے پر ٹھہر جانا..... یہ بُرا نہیں لگے گا، ایک

بھائی تو بہن کو لے کر اس کام کے لیے آ ہی سکتا ہے..... ہاں دو بھائی نہیں آ سکتے، جب کہ آج ایسا ہی ہوا ہے۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"اور یہ تمہاری مہربانی سے ہوا ہے، نہ تم ابا جان سے شکایت لگانے کی دھمکی دیتیں، نہ ہم دونوں کو آنا پڑتا۔"

"شکایت تو میں اس صورت میں لگاتی جب تم دونوں میں سے کوئی بھی لانے پر تیار نہ ہوتا۔"

"ارے! تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "خیر! میں یہیں سے لوٹ جاتا ہوں۔"

"لیکن بھئی اب لوٹنے کا کیا فائدہ! اب تو ہم جیل روڈ پر پہنچ بھی چکے۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔"

سپرنٹنڈنٹ جیل کے بنگلے سے کچھ فاصلے پر انہوں نے موٹر سائیکلیں روک لیں۔ فرزانہ اتر کر بنگلے کی طرف چلی گئی۔ اس نے دروازے پر لگی گھنٹی کا بٹن دبایا اور انتظار کرنے لگی۔

O

انسپکٹر جمشید اپنے دوست کی پارٹی سے فارغ ہو کر باہر نکلے اور پھر حیرت زدہ رہ گئے۔ انہوں نے سڑک پر دو موٹر

سائیکلوں کو گزرتے دیکھا۔ ان میں سے ایک پر محمود اور فرزانہ
بیٹھے تھے، دوسری پہ فاروق، جب وہ گھر سے چلے تھے
تو یہ بتا کر نہیں آئے تھے کہ انہیں کہاں جانا ہے، محمود، فاروق
اور فرزانہ اس وقت گھر میں موجود تھے، اور ان کا کہیں
جانے کا پروگرام نہیں تھا۔ پھر یہ یکایک ان کا کہیں جانے
کا پروگرام کس طرح بن گیا، پہلے تو ان کے جی میں آئی کہ
ان کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوں، پھر کچھ سوچ کر رک
گئے اور واپس اپنے دوست کے گھر میں گھس گئے۔ دوست کا
نام عباس گابا تھا۔ وہ ایک تاجر تھا اس وقت تک دوسرے
مہمان بھی رخصت ہو چکے تھے۔ انہیں واپس آتے دیکھ کر وہ
چونک اٹھا اور بولا۔

"ہیلو جمشید! خیر تو ہے، کوئی چیز رہ گئی کیا؟"

"نہیں بھئی! ذرا میں ایک فون کروں گا۔"

"آؤ..." عباس گابا اسے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
انہوں نے گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ ادھر سے فوراً ہی
بیگم جمشید کی آواز سنائی دی:

"ہیلو... کون صاحب!"

"بیگم یہ میں ہوں، یہ تینوں کہاں گئے ہیں؟"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" بیگم جمشید کے منہ سے حیرت زدہ

انداز میں نکلا۔

"پارٹی والے گھر سے نکلتے ہوئے میں نے انہیں موٹر سائیکلوں
پر جاتے دیکھا ہے۔"

"بات کچھ بھی نہیں، فرزانہ کی ڈرائنگ کی کاپی کسی کلاس فیلو
سے بدل گئی ہے، وہ وہاں جانا چاہتی تھی تاکہ اپنی کاپی
لے آئے۔ پہلے تو دونوں نے اسے لے جانے سے انکار
کیا، لیکن جب فرزانہ نے آپ کو بتانے کی دھمکی دی تو
دونوں ہی اسے لے جانے پر بضد ہو گئے..... بس یہ
قصہ ہے۔"

"کمال ہے، میں تو ڈر ہی گیا تھا اور سمجھا تھا، شاید انہوں
نے پھر کوئی چکر چلا دیا....."

"جی نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔" بیگم جمشید ہنس پڑیں۔

"اچھا! میں آ رہا ہوں، دراصل میں نے فون اس لیے
کیا تھا کہ اگر کوئی خاص بات ہو تو پھر ان کے پیچھے چلا
جاؤں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور واپس مڑے۔
عباس گابا ان سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

"ارے بھئی! تم ابھی تک یہاں کیوں کھڑے ہو..... میں فون
کر کے خود ہی چلا جاتا۔" وہ بولے۔

"کوئی بات نہیں.... آؤ میں تمہیں دروازے تک چھوڑ آؤں۔"

رخصت ہو کر وہ اپنی کار میں بیٹھے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کا ذہن کسی قدر الجھا ہوا تھا۔ عباس گابا کی آج کی پارٹی ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی.... وہ ان کا زیادہ پرانا دوست نہیں تھا۔ ایک بار اس نے ان کی جیب میں لفٹ لی تھی اور پھر دوسرے دن شکریہ ادا کرنے ان کے گھر چلا آیا تھا..... اس کے بعد بھی کئی بار وہ ان سے ملنے آیا، ہر بار بچوں کے لیے کوئی چیز ضرور لے کر آتا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اب اسے انکل گابا کہنے لگے تھے۔ آج سے پہلے عباس گابا نے کبھی انہیں چائے کی دعوت پر نہیں بلایا تھا.... ان کے علاوہ صرف چند دوست اور بلائے گئے تھے۔ چائے کے دوران انہوں نے عباس گابا اور دوسرے مہمانوں کے چہروں کا بغور جائزہ لیا تھا، لیکن کوئی اندازہ نہیں لگا سکے تھے، کوئی عجیب بات انہوں نے محسوس نہیں کی تھی.... اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہے تھے کہ آخر آج گابا نے ان کی دعوت کیوں کی تھی، کیا کوئی خاص مقصد تھا۔ انہوں نے عباس گابا سے بھی یہ بات پوچھی تھی، لیکن اس نے صرف یہی جواب دیا تھا کہ بس یہ مل بیٹھنے کا ایک بہانہ تھا۔

"چونکہ ان کا ذہن الجھا ہوا تھا، اسی لیے محمود، فاروق اور فرزانہ کو ادھر سے گزرتے دیکھ کر وہ چونک اٹھے تھے اور انہوں

نے عباس گابا کے گھر سے ہی فون کرنا مناسب خیال کیا تھا، لیکن دوسری طرف بات کچھ بھی نہ نکلی.... اور اب وہ سوچ رہے تھے..... شاید وہ عباس گابا کے بارے میں وہم کا شکار ہو گئے ہیں۔

بیگم جمشید نے ان کا مسکرا کر استقبال کیا:

"آئے نہیں وہ تینوں اب تک؟"

"انہیں جیل روڈ جانا تھا....." بیگم جمشید نے بتایا۔

"فرزانہ ڈرائنگ کی کاپی صبح بھی تو لے سکتی تھی۔" وہ بولے۔

"اسے رات کو ڈرائنگ کا کچھ ضروری کام کرنا ہے۔"

"ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

دونوں ان کا انتظار کرتے رہے، کافی دیر گزر گئی، لیکن ان کی واپسی نہ ہوئی۔ آخر انسپکٹر جمشید نے تنگ آ کر کہا:

"جیل روڈ پر وہ کس کے گھر گئے ہیں۔"

"جیلر صاحب کے..... انہی کی بیٹی سے اس کی کاپی بدلی ہے۔"

"میں فون کر کے معلوم کرتا ہوں کہ وہ تینوں وہاں پہنچے بھی کہ نہیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ڈائریکٹری میں احسان رازی کے نمبر دیکھے اور پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ملائے، لیکن جلد ہی انہیں

معلوم ہو گیا کہ دوسری طرف کا فون کام نہیں کر رہا، انھوں نے ٹیلی فون ایکس چینج کو فون کیا اور اپنا تعارف کرانے کے بعد بولے:

"میں سپرنٹنڈنٹ جیل احسان رازی صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں، معلوم تو کریں، ان کا فون خراب ہے یا کیا بات ہے۔"

"جی بہتر! ابھی بتاتے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور وہ انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد جواب ملا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے جناب جیسے ان کے تاروں میں کوئی خرابی ہے....."

"اوہ! کیا ان کی طرف سے کوئی شکایت نہیں لکھوائی گئی۔"

"جی اس کے بارے میں تو شعبۂ شکایات ہی بتا سکتا ہے۔"

"ذرا ان سے معلوم کرا دیں..... یہ بہت ضروری ہے۔"

"ابھی لیجیے۔"

چند سیکنڈ بعد آپریٹر نے بتایا کہ ان کی طرف سے کوئی شکایت درج نہیں کرائی گئی۔ شکریہ ادا کرتے ہوئے

انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔ ان کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

"کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور ہے" وہ بڑبڑائے، عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف لپکے۔

ڈاکو بن جائیں

B Become Robbers

آخر دروازہ کھلا۔ فرزانہ نے دیکھا، دو آدمی آگے پیچھے کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹی؟" ان میں سے اگلے نے کہا۔

"میری ڈرائنگ کی کاپی آپ کی بیٹی کوثر کی کاپی سے بدل گئی ہے..... میں وہی تبدیل کرنے آئی ہوں.... کیا کوثر گھر میں نہیں ہیں؟"

"ہے بیٹی میں ابھی اسے بھیجتا ہوں.... معاف کرنا، گھر میں کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں.... اور اندر...." احسان رازی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، کیونکہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آگے کیا کہیں۔

"کوئی بات نہیں انکل.... یہ کاپی آپ لے جائیں اور میری کاپی کسی کے ہاتھ بھی بھیج دیں.... ظاہر ہے کوثر مہمانوں کے ساتھ مصروف ہو گی۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"بالکل یہی بات ہے بیٹی۔" وہ خوش ہو کر بولے۔ فرزانہ

نے کاپی ان کی طرف بڑھا دی۔ وہ کاپی لے کر اندر چلے گئے، جب کہ ان کے پیچھے آنے والا وہیں کھڑا رہ گیا۔

"کیا آپ بھی جیلر صاحب کے مہمانوں میں شامل ہیں؟"

"ہاں! لیکن مجھے شور شرابے سے نفرت ہے، اس لیے میں جیلر صاحب کے ساتھ باہر چلا آیا تھا۔" اس نے کہا۔

"نفاست پسند لوگ شور شرابے سے نفرت ہی کرتے ہیں۔"

"بالکل۔" اس کے منہ سے نکلا۔

اسی وقت جیلر صاحب کاپی لیے دروازے پر آ گئے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے:

"یہ لو بیٹی!"

"شکریہ انکل! مجھے افسوس ہے، میں نے آپ کو ایسے وقت زحمت دی، جب آپ کے گھر میں مہمان آئے ہوئے تھے۔"

"اوہ! کوئی بات نہیں بیٹی۔"

فرزانہ انہیں سلام کر کے مڑی اور اس طرف چل پڑی جہاں محمود اور فاروق کھڑے تھے۔ اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اس نے پیچھے مڑ کر ایک نظر دروازے پر ڈالی اور پھر تیز تیز قدم اٹھانے لگی، بے خیالی میں وہ محمود اور فاروق کے پاس رکنے کی بجائے آگے نکل گئی۔

"اگر واپس پیدل جانے کا ارادہ تھا تو ہمیں یہاں رکنے کے

یہ کیوں کہا تھا۔" فاروق کی بھنائی ہوئی آواز نے اسے چونکا دیا اور وہ واپس مڑی۔

انہوں نے دیکھا، اس کے چہرے پر فکر کے سائے منڈلا رہے تھے۔

"خیر تو ہے.... کیا کاپی نہیں ملی۔"

"کاپی تو مل گئی ہے.... یہ رہی۔"

"تو پھر.... کیا کاپی کے ساتھ کوئی الجھن بھی ساتھ مل گئی ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"شاید یہی بات ہے....۔" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب..... مہربانی فرما کر کوئی الجھن پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو، گھر چلو، ابا جان آ چکے ہوں گے اور ہمارا بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"مجھے افسوس ہے، ان حالات میں میں گھر واپس نہیں جا سکتی۔" فرزانہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کن حالات میں، تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" محمود نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"میں نے دروازے کی گھنٹی بجائی تو جیلر صاحب خود دروازے پر آئے، ان کے پیچھے ایک اور آدمی بھی تھا، میں

نے انہیں بتایا کہ میری کاپی کوثر کی کاپی سے بدل گئی ہے تو انہوں نے مجھے وہیں ٹھہرنے کے لیے کہا اور وہیں ٹھہرانے کی وجہ یہ بتائی کہ گھر میں کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں؛ چنانچہ میں نے کاپی انہیں دے دی، وہ کاپی لے کر اندر گئے اور پھر خود ہی میری کاپی لے آئے، اس دوران دوسرا آدمی وہیں کھڑا رہا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ بھی اس گھر میں مہمان ہے، اس نے جواب دیا، ہاں اور یہ کہ وہ شور شرابے سے گھبرا کر جیلر صاحب کے ساتھ دروازے کی طرف آگیا تھا۔" فرزانہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"اب تک تم نے جو کچھ کہا ہے، اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو ہمیں فکر میں مبتلا کر دے، یا تم الجھن میں نظر آؤ۔" محمود بولا۔

"الجھن والی باتیں میں بتاتی ہوں.... جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، جیلر صاحب کے بنگلے پر ایک مسلح آدمی ہر وقت پہرے پر رہتا ہے، اس وقت پہرے پر کوئی نہیں تھا، گھنٹی سن کر جیلر صاحب خود کیوں آئے، جب کہ ان کے ہاں کم از کم ایک ملازم تو ضرور ہو گا.... تیسرے یہ کہ کاپی کی تبدیلی کا ذکر سن کر اور میری آمد کے بارے میں جان کر بھی کوثر دروازے پر نہیں آئی۔"

"تمہاری تینوں باتوں کا جواب میں دیتا ہوں...." فاروق نے قدرے تیز لہجے میں کہا: "مسلح آدمی مہمانوں کی آمد کے سلسلے میں اندر گیا ہوا ہوگا، ملازم مہمانوں کی خدمت میں مصروف ہوں گے، اس لیے جیلر صاحب خود دروازے پہ آ گئے، کوثر بھی مہمانوں کی وجہ سے اندر نہ آ سکی، آخر اس میں عجیب بات کیا ہے؟"

"اگر اس میں تمہیں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی تو میرے پاس کہنے کے لیے ابھی کچھ اور بھی ہے.... یہ کہ جیلر صاحب کے ساتھ جو آدمی باہر آیا تھا، اس نے کہا تھا کہ شور شرابے سے بہت گھبراتا ہے۔ اس لیے جیلر صاحب کے ساتھ دروازے تک آ گیا، لیکن اتفاق سے میرے کان بہت تیز ہیں اور میں نے اندر سے ایک ہلکی سی آواز بھی آتی نہیں سنی، اس کے بجائے اندر تو مجھے گہری خاموشی کا احساس ہوا ہے، اگر یہ بات بھی تمہارے دل کو نہیں لگتی۔ تو یہ بات سن لو کہ جیلر صاحب کے کہنے کے مطابق گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں اور اس آدمی کے بیان کے مطابق وہ شور سے گھبرا کر باہر نکل آیا تھا، لیکن ان کے بنگلے کی روش پر صرف ایک کار کھڑی ہے.... چھوٹی سی ایک کار.... اس کے علاوہ جیلر صاحب کی جیپ ضرور موجود ہے.... آخر اس چھوٹی سی کار میں کتنے مہمان آئے ہوں گے، جن کی وجہ سے ان کی مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ محافظ بھی

اندر مصروف ہے، ان کا ملازم بھی اندر مصروف ہے، کوثر بھی باہر نہیں آ سکی.... جب کہ ان میں سے ایک مہمان اندر ٹھہرا ہی نہیں اور پھر جونہی میں کاپی لے کر باہر کی طرف مڑی، دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ آدمی باہر نکل کر روش پر ٹہلنے لگتا...." فرزانہ پر سکون آواز میں کہتی چلی گئی۔ محمود اور فاروق اس کی باوزن باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکے، آخر محمود نے کہا:

"گویا تمہارے خیال میں اندر کوئی گڑبڑ ہے۔"

"ہاں! میں یہی سمجھتی ہوں۔"

"پھر! اب ہم کیا کریں...." محمود بولا۔

"ہم میں سے ایک یہاں ٹھہرے، موٹر سائیکل پر ہر طرح تیار، تاکہ اگر کچھ لوگ جیلر صاحب کے بنگلے میں سے نکل کر اس کار میں بیٹھ کر کسی طرف جائیں تو ان کا تعاقب کیا جائے، باقی دو گھر جا کر ابا جان کو پوری تفصیل سے آگاہ کریں۔ پھر وہ جو مناسب سمجھیں گے، کریں گے۔" فرزانہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے، میں اس تجویز پہ عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔" محمود نے کہا۔

"تو پھر تم ہی یہاں ٹھہرو، میں فرزانہ کو لے کر جاتا ہوں۔" فاروق نے کہا۔

ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے کہا۔
فاروق نے فرزانہ کو موٹر سائیکل پر بٹھایا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

○

دروازہ کھولتے ہی انسپکٹر جمشید کی نظر فرزانہ کے بدلے ہوئے چہرے پر پڑی:
"کیا بات ہے فرزانہ.... خیر تو ہے، تم نے اتنی دیر کیوں لگائی اور محمود کہاں رہ گیا ہے۔"
"وہم ہو گیا ہے ابا جان اسے۔" فاروق بولا۔
"محمود کو ہم وہیں چھوڑ آئے ہیں، میرا خیال ہے احسان رازی صاحب کے بنگلے میں کوئی گڑ بڑ ہے۔"
"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید زور سے چونکے، کیونکہ چند منٹ پہلے وہ خود بھی اسی نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔
"جی ہاں ابا جان! میں آپ کو پوری بات بتاتی ہوں، پھر فیصلہ آپ کریں گے، کیونکہ فاروق کے خیال میں مجھے وہم ہو گیا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔
"اور محمود کے خیال میں؟" انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"محمود کسی حد تک میرا ہم خیال ہے۔"
"تو پھر میں پوری بات سنے بغیر یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں بھی تمہارا ہم خیال ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"جی کیا مطلب.... ابا جان.... پوری بات سنے بغیر آپ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں، کیا صرف اس لیے کہ دو ووٹ ایک طرف ہیں اور ایک ایک طرف۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا، پھر ان کے جواب دینے سے پہلے ہی بول پڑا:
"لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان دونوں کا ہی خیال درست ثابت ہو۔"
"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو، ان دونوں کا خیال بھی غلط ہو سکتا ہے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ جب تم لیٹ ہو گئے تو میں نے احسان رازی کے ہاں فون کیا تھا، لیکن ادھر سے لائن یا تو کٹ گئی ہے یا خراب ہے، انھوں نے کوئی رپورٹ بھی ٹیلی فون والوں کو درج نہیں کرائی، ان حالات میں میں محمود اور فرزانہ کا ہم خیال نہیں ہوں گا تو کیا کروں گا.... اب جلدی جلدی بتاؤ، کیا معاملہ ہے۔"
فرزانہ نے تفصیل سنا دی۔ انسپکٹر جمشید نے سن کر فوراً کہا:
"اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہاں گڑ بڑ ضرور ہے۔"

"آخر فرزانہ کی ڈرائنگ کی کاپی بازی لے گئی۔" فاروق بڑبڑایا۔

"تم دونوں میرے ساتھ اندر آؤ۔" انسپکٹر جمشید نے فکر مند ہو کر کہا۔

اندر آکر انہوں نے جلدی جلدی اپنے اور ان کے چہروں میں کچھ تبدیلیاں کیں، بیگم کو بتایا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور پھر چلنے کے لیے مڑے ہی تھے کہ فرزانہ بول اٹھی:

"ابا جان! کیوں نہ ہم اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں، کیا خبر اندر کیا حالات پیش آئیں۔"

"ٹھیک ہے.... لیکن ذرا جلدی کرو۔"

پستول، لائٹر اور ہیر کلپ لینے میں انہوں نے صرف چند سکینڈ لگائے۔ پستول فاروق نے اپنی جیب میں رکھ لیا، لائٹر محمود کو دینے کے لیے ہاتھ میں پکڑ لیا.... ہیر کلپ فرزانہ نے ہاتھ میں اس طرح لے لیا کہ نظر نہ آ سکے۔ اس کے بعد تینوں جیپ میں بیٹھے اور جیل روڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔

محمود انہیں اسی جگہ نظر آیا جہاں وہ دونوں چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے جیپ اس کے قریب روک لی۔ جیپ کی وجہ سے ہی اس نے انہیں پہچان لیا:

"محمود! ابھی تک کچھ ہوا تو نہیں۔"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"اچھا تم اسی جگہ ٹھہرو، جیپ بھی ہم یہیں چھوڑے جا رہے ہیں.... اگر ہم آدھ گھنٹے تک واپس نہ آئے تو تم اپنی عقل سے کام لے سکتے ہو۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا۔

"اور یہ لو اپنا لائٹر.... اس سے بھی کام لے سکتے ہو۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

جیپ کو مناسب جگہ پر کھڑا کر کے وہ احسان رازی کے بنگلے کی طرف بڑھے۔

"ابا جان! کیا احسان رازی سے پہلے کبھی آپ کی ملاقات ہو چکی ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں!" وہ بولے۔

"تب پھر آپ ان سے ملاقات کا کیا بہانا بنائیں گے؟"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں، اگر تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب آ رہی ہے تو بتا دو۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"ترکیب تو ذہن میں آئی ہے، لیکن بہت دیر سے۔" فرزانہ بولی۔

"دیر سے کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"میرا مطلب ہے، اگر یہ ترکیب گھر میں سوجھی ہوتی تو ہم اس پر عمل کر چکے ہوتے۔"

"ترکیب بھی تو بتاؤ۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"آپ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کے بھیس میں یہاں آ سکتے تھے۔"

"لیکن اس کے لیے وردی کا انتظام کرنے میں دیر ہو سکتی تھی۔" انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا۔

"ابا جان آپ ڈاکو بن جائیں۔" فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"لیجیے! آپ کو ڈاکو بنا رہا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ایک ایسے ڈاکو.... جس پر جیل میں بہت ظلم توڑا گیا ہو...." فاروق نے فرزانہ کے جملے پر توجہ دیے بغیر کہا اور انسپکٹر جمشید ہنس پڑے۔

اتنے میں وہ دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ فاروق نے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

قیدی کا نام

دروازہ اندر سے بند کر کے وہ پھر اندر آئے:

"چلی گئی وہ لڑکی۔" ساحرہ نے پوچھا۔

"ہاں چلی گئی.... اس کی کاپی کو بھی آج ہی تبدیل ہونا تھا۔" اکرم درانی نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں کوثر.... کیا یہ لڑکی تمہاری سہیلی تھی۔" ساحرہ نے پوچھا۔

"نہیں صرف کلاس فیلو۔" کوثر نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا، دروازہ کھولنے اور فرزانہ کی بات سننے کے بعد احسان رازی اندر آئے تھے اور انہوں نے کوثر کو اس کی کاپی دیتے ہوئے بتایا تھا کہ باہر اس کی ایک کلاس فیلو موجود ہے، دونوں کی کاپیاں ایک دوسرے سے بدل گئی ہیں.... چنانچہ کوثر کاپی لے کر اپنے کمرے میں گئی تھی اور دوسری کاپی اٹھا لائی تھی، اس نے کاپی پر لکھا ہوا نام بھی پڑھا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کا دل دھڑک رہا تھا، وہ سوچ رہی تھی، کیا فرزانہ صرف کاپی ہی لینے کے لیے یہاں آئی تھی نا..... انہیں ان مجرموں کی

کوئی بھنک پڑ گئی ہے۔ وہ ان کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں یہ دعا مانگی کہ کاش.... کاپی لیتے وقت فرزانہ کچھ بھانپ جائے۔

"تو پھر یہ کاپی کس طرح تبدیل ہو گئی"۔ ساحرہ نے پوچھا۔

"ٹیچر نے سب کی کاپیاں چیکنگ کے لیے لی تھیں، چیکنگ کرنے کے بعد انہوں نے میز پہ ڈھیر کر دیں اور کہہ دیا کہ چھٹی کے وقت اپنی اپنی کاپی لے لیں۔ بس اس وقت شاید مجھ سے غلطی ہو گئی۔ دونوں کاپیوں کی جلد ہو بہو ایک جیسی ہے"۔

"ہوں.... لیکن اسے ڈرائنگ کی کاپی کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی، وہ کل بھی لے سکتی تھی"۔ ساحرہ نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج ڈرائنگ کا کام کرنا ہے، کر کے نہ لے جائیں گے تو مس جھڑکیاں دیں گی، جرمانہ بھی کریں گی"۔

"ہوں.... خیر.... اب ہم اپنے کام کی طرف لوٹتے ہیں، ہاں تو جیلر صاحب کیا تم یہ کام انجام دینے کے لیے پوری طرح تیار ہو"۔

"ہاں! میں تیار ہوں، میں کر بھی کیا سکتا ہوں.... ایک مجرم کی زندگی پہ پانچ زندگیاں تو قربان نہیں کی جا سکتیں"۔ احسان رازی بولے۔

"بہت خوب! تو پھر اندرونی دروازے سے ہو کر جیل میں چلے جائیے اور اس قیدی کو اپنے ساتھ یہاں لے آئیے، اس کے بارے میں آپ کسی کو کوئی جواب نہیں دیں گے، کیونکہ یہ آپ کی بیٹی، آپ کی بیوی، دونوں ملازموں اور خود آپ کی زندگی کا سوال ہے، ہم اگر کسی مشکل میں پڑے تو شعاعی پستول استعمال کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائیں گے اور اس صورت میں نہ جانے اور کتنے آدمی شعاع کا نشانہ بن کر بہہ جائیں.... کیونکہ پھر ہم کریں گے یہ کہ اندھا دھند جیل میں گھس جائیں گے.... یہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ گولیاں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، بس ہم اپنے شعاعی پستولوں سے لوگوں کو پانی میں تبدیل کر کے اس قیدی تک پہنچ جائیں گے، یہ بھی بتا دیں کہ ان پستولوں سے لوہے کی سلاخوں کو بھی پلک جھپکنے میں پگھلایا جا سکتا ہے۔ لہذا کوئی دروازہ، کوئی سلاخ، کوئی پھاٹک ہمارا راستہ نہیں روک سکے گا.... اور ہاں! میں آپ کے ساتھ رہوں گا، سائے کی طرح"۔

یہاں تک کہہ کر اکرم درانی خاموش ہو گیا۔

"اچھی بات ہے، میں تمہارے ساتھ اندر چلا جاتا ہوں اور اس قیدی کو لے آتا ہوں، لیکن پہلے یہ تو بتا دو کہ قیدی کے یہاں آنے کے بعد تم کیا کرو گے"۔ انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں، بس آپ لوگوں کو ایک کمرے میں بند کر

جائیں گے، صرف آپ کی بیٹی کو ساتھ لے جائیں گے، وہ بھی اس لیے کہ آپ لوگ ہمارے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنے پائیں.... آپ کی بیٹی آپ کو شہر کے کسی حصے سے مل جائے گی، اگر کسی نے اس دوران ہمارا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو ہم آپ کی بیٹی کو شعاع کا نشانہ بنا دیں گے۔"

"نہیں نہیں" احسان رازی خوف زدہ انداز میں چلائے۔

"بے فکر رہیں، اگر کام ہماری ہدایات کے مطابق ہوا تو ہم کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے" اکرم درانی نے کہا۔

"لیکن میں دوسروں کو تعاقب کرنے سے کس طرح روک سکتا ہوں" احسان رازی نے پریشان ہو کر کہا۔

"آپ ہمارے جانے کے کم از کم ایک گھنٹے تک بالکل خاموش رہیں، اس کے بعد جو آپ کے جی میں آئے، کریں.... پھر آپ پر کوئی قید نہیں"

"اچھا! قیدی کا نام بتاؤ.... آخر وہ کون ہے.... اسے چھڑانے کی ایسی کیا خاص ضرورت آ پڑی ہے"

"وہ ہمارے لیے کتنا ضروری ہے، یہ کچھ ہم ہی جانتے ہیں .... سنو.... اس کا نام جیتال ہے"

"کیا!!!" احسان رازی زور سے اچھلے، ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں، پھر انہوں نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا:

"اف میرے خدا.... تو کیا تم جیتال کو چھڑانے آئے ہو"

"ہاں! کسی معمولی مجرم کو چھڑانے کے لیے اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی...." ساحرہ ہنسی۔

"پھر تو میں اس ملازمت سے ضرور ہاتھ بیٹھوں گا" احسان رازی نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"شاید آپ کا خیال ٹھیک ہے، لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ آپ پانچ زندگیاں بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے"

"پانچ زندگیاں.... ہاں.... پانچ زندگیاں...." وہ مارے خوف کے بڑبڑائے، پھر اس طرح بولے جیسے خواب میں باتیں کر رہے ہوں:

"میں جا رہا ہوں.... جیتال کو لانے کے لیے.... اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونے کے لیے.... اور عدالت کے کٹہروں میں جواب دینے کے لیے...."

یہ کہتے ہوئے وہ اندھوں کی طرح کمرے سے نکل گئے، اکرم درانی ان کے پیچھے تھا۔ ان کا رخ اس دروازے کی طرف تھا جو جیل کے احاطے میں نکلتا تھا۔ کوثر اور بیگم احسان پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ جیتال کے بارے میں وہ کچھ زیادہ نہیں جانتی تھیں، لیکن اتنا تو اب اندازہ لگا ہی چکی تھیں کہ وہ کوئی بہت ہی خاص مجرم ہے۔

ابھی احسان رازی اور اکرم درانی کو گئے کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی کہ دروازے کی گھنٹی ایک پھر بج اٹھی۔ وہ سب زور سے چونکے۔ شیر باز خان کو ایک کمرے میں بند کیا جا چکا تھا، دوسرا ملازم شاکر ان کے ساتھ اسی کمرے میں موجود تھا۔ گھنٹی کی آواز نے سب سے زیادہ ساجرہ درانی کو چونکایا:

"اس وقت کون آگیا جب کہ مسٹر رازی کسی کو وقت دیے بغیر نہیں ملتے۔"

"کیا خبر.... انہوں نے کسی کو وقت دے رکھا ہو۔" کوثر بولی

"میرا خیال ہے، یہ ذکر آچکا ہے کہ آج ان کی کسی سے ملاقات طے نہیں۔"

"کچھ لوگ وقت مقرر کیے بغیر بھی آجاتے ہیں، جیسے کہ تم لوگ۔" کوثر نے جل بھن کر کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے.... خیر.... بیگم صاحبہ! آپ دروازے پر جا کر دیکھیں، میں اس دوران آپ کی بیٹی کو اپنے پستول کی زد پر رکھوں گی، اگر آپ نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو واپسی پر اس کمرے میں اپنی بیٹی کو نہیں پائیں گی۔"

"نہیں نہیں۔" وہ چلائیں۔

"تو پھر جائیے اور دروازے پہ جو کوئی بھی ہے، اسے ٹرخا دیں.... اگر کوئی شخص احسان صاحب سے ملنے آیا ہے تو اس

سے کہہ دیں کہ وہ گھر میں نہیں ہیں.... کل کسی وقت آئیں۔"

"م.... میں.... میں یہی کروں گی لیکن تم وعدہ کرو، کوئی غلط حرکت نہیں کرو گی۔" بیگم رازی نے کانپتے ہوئے کہا۔

"بے فکر رہیں، اگر آپ نے کوئی غلط حرکت نہ کی تو میں بھی نہیں کروں گی۔" اس نے جواب دیا۔

بیگم نے ایک نظر اس پہ اور پھر کوثر پہ ڈالی اور دروازے کی طرف مڑ گئیں.... ان کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا.... وہ سوچ رہی تھیں.... خدا جانے کون آگیا ہے.... دروازہ کھولتے ہی انہوں نے دیکھا، وہاں ایک آدمی، ایک لڑکا اور ایک لڑکی کھڑے تھے اور ان کے چہروں پر عجیب قسم کے تاثرات تھے۔

○

احسان رازی جیل کے احاطے سے گزر کر لوہے کے اس بڑے دروازے کی طرف بڑھے جس کا ہمیشہ چھوٹا سا دروازہ کھولا جاتا تھا، پورا دروازہ صرف خاص ہی موقعوں پر کھولا جاتا۔ پہرے داروں نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو چونک کر سیدھے ہوگئے۔ ان کا اس وقت آنا عجیب بات تھی۔ نزدیک آنے پر انہوں نے انہیں سلوٹ کیا۔

"دروازہ کھولو۔" انہوں نے کہا۔

"خیر تو ہے سر!"

"ایک قیدی سے کچھ افسرانِ بالا ضروری سوالات کرنے آئے ہیں، اسے لینے آیا ہوں، ایک آفیسر میرے ساتھ ہیں۔"

"بہت بہتر سر!" ان میں سے ایک نے کہا اور جھک کر تالا کھولنے لگا۔

دروازہ کھلنے پر وہ اندر داخل ہوئے۔ دور صحن میں انہیں نمبردار ٹہلتا نظر آیا، تمام کوٹھڑیوں کے دروازے بند تھے اور ان میں قیدی بھرے ہوئے تھے۔ انہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی بند کیا گیا تھا۔ نمبردار کی نظر جونہی ان پر پڑی، وہ بھاگتا ہوا آیا۔ اس کی بیلٹ سے چابیوں کا ایک بہت بڑا گچھا لٹک رہا تھا۔

"جی سرکار.... کیسے تکلیف کی۔"

"رمضو کہاں ہے؟"

"دوسرے وارڈ میں سرکار۔"

"جیتال کی کوٹھڑی، اس کے پاس ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں! اس نے کہا۔

"چلو میرے ساتھ.... جیتال کو کوٹھڑی سے نکالنا ہے۔"

"جیتال کو، لیکن سرکار اس کے بارے میں تو آپ کی ہدایات

یہ ہیں کہ اسے کسی صورت بھی کوٹھڑی سے نہیں نکالا جائے گا۔"

"ہاں! میری ہدایات یہی ہیں، مجھے افسرانِ بالا نے یہی حکم دیا تھا، لیکن اب وہی لوگ میرے گھر میں آئے بیٹھے ہیں، وہ جیتال سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں.... تم دیکھ نہیں رہے، ان میں سے ایک میرے ساتھ ہیں۔"

تینوں تیز تیز چلتے ہوئے دوسرے وارڈ میں آئے۔ یہاں ایک اور نمبردار گھوم پھر رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر فوراً ان کی طرف آیا:

"خیر تو ہے سرکار۔"

"جیتال کی کوٹھڑی تمہارے پاس ہے۔"

"جی سرکار۔" اس نے کہا۔

"کھولو اسے اور باہر نکال لاؤ۔"

"لیکن سرکار....؟"

"سوال کرنے کی ضرورت نہیں، کچھ افسرانِ بالا اس سے ملنے آئے ہیں۔"

"بہت بہتر سرکار۔"

اس نے کہا اور ایک طرف چلنے لگا، وہ دونوں اس کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ ایک جگہ زمین پر ایک لکڑی کا موٹا سا دروازہ بچھا نظر آیا، اس پر ایک تالا لگا ہوا تھا،

نمبر دار نے تالا کھول کر دروازہ اوپر اٹھایا، وہ کسی صندوق کے ڈھکنے کی طرح اوپر اٹھا، نیچے سیڑھیاں نظر آئیں، سیڑھیاں اتر کر وہ ایک تنگ و تاریک ہال میں داخل ہوئے، اس ہال میں چار کوٹھڑیاں تھیں۔ ان چاروں میں خطرناک قیدی بند تھے۔ ان میں سے ایک میں جیتال کو رکھا گیا تھا۔ نمبر دار اس کی کوٹھڑی کے سامنے پہنچ کر تالا کھولنے لگا۔

جیتال اونگھ رہا تھا، آوازیں سن کر چونکا۔ جیلر پر اس کی نظر پڑی تو حیران ہو کر بولا:

"کیوں جیلر صاحب.... کیا پروگرام ہے؟"

"کچھ آفیسر تم سے بات کرنا چاہتے ہیں، تمہیں میرے ساتھ میرے بنگلے تک چلنا ہے۔"

"یہ اتنے عرصے بعد انہیں کچھ پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" جیتال نے حیران ہو کر کہا۔

"مجھے نہیں معلوم.... کیا ضرورت پیش آ گئی۔" انہوں نے منہ بنا کر کہا۔ "یہ میرے ساتھ ان میں سے ایک موجود ہیں۔"

"شاید تمہیں ان کا آنا پسند نہیں آیا۔" جیتال نے مسکرا کر کہا۔ جیل کی تنگ و تاریک فضا نے اس کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں کیا تھا.... وہ اسی طرح مضبوط اور طاقت ور نظر آ رہا تھا۔ اس کے پیروں میں بیڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں:

دروازہ کھلنے کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ اس کے قد و قامت پر نظر پڑتے ہی دوسروں کو خوف محسوس ہوتا تھا، جیلر صاحب بھی اگرچہ کچھ عرصہ پہلے اسے دیکھ چکے تھے، لیکن اس وقت بھی خوف محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔

"بیڑیاں بھی کھول دو، تاکہ یہ آسانی سے چل سکے۔" جیلر صاحب بولے۔

"لیکن سرکار.... بیڑیاں کھولنا خطرناک ہو گا، جب کہ آپ اسے لے جا بھی اپنے بنگلے پر رہے ہیں۔" نمبر دار بولا۔

"تم فکر نہ کرو.... یہ میری ذمہ داری ہے، افسرانِ بالا کا حکم بھی یہی ہے۔"

"بالکل"! اکرم درانی نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ نمبر دار نے ایک لفظ کہے بغیر بیڑیاں کھول دیں، جیتال نے ایک طویل انگڑائی لی اور بولا:

"چلیے جیلر صاحب.... کہاں چلنا ہے...."

"آؤ ہمارے ساتھ۔"

جیتال اس کے ساتھ چلنے لگا، دونوں نمبر دار جیل کے صحن میں رہ گئے، وہ اسے لے کر لوہے کے دروازے کی طرف بڑھے تو انہوں نے سرگوشی میں کہا۔

"مسٹر جیتال! تم سے افسرانِ بالا ملنے نہیں آئے بلکہ تمہارے کچھ

ساتھی آئے ہیں۔" ان کی یہ بات سن کر جیتال نے چونک کر اکرم درانی کی طرف دیکھا، وہ مسکرا دیا۔

"گویا آپ لوگوں کا آپس میں معاملہ طے ہو گیا ہے۔" جیتال نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! یہی سمجھ لو۔" انہوں نے جواب دیا۔

"کتنے میں بکے ہو جیلر؟" جیتال کا لہجہ طنزیہ تھا۔ احسان رازی نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر بولے:

"میں پانچ زندگیوں کے سودے پر بکا ہوں مسٹر!" ان کے لہجے میں گہرا طنز تھا، تیز کاٹ تھی۔

"اوہ سمجھا.... گویا نوٹوں پر معاملہ طے نہیں ہوا۔"

"نوٹ ہر کسی کو نہیں خرید سکتے۔"

"لیکن تم یہ دعویٰ بھی تو نہیں کر سکتے کہ تم نے اپنے فرض سے غداری نہیں کی۔"

"اس کا فیصلہ ہمارے ملک کی عدالت کرے گی، تمہارے جانے کے بعد میں خود کو قانون کے حوالے کر دوں گا، یہ جرم میرا ہے، میری بیوی اور بچی تو بچ جائیں گی۔"

"تو یہ قربانی تم نے ان کے لیے دی ہے، دوسرے لفظوں میں اپنے وطن سے غداری ان کی خاطر کی ہے، میرا خیال ہے کہ تمہارے ملک کی عدالت تمہیں معاف نہیں کرے گی، سزا ضرور

سنائے گی، کیونکہ میں کوئی عام چور یا ڈاکو نہیں ہوں...."

"شاید ایسا ہی ہو گا، لیکن میں کیا کروں.... میں اپنی بیٹی کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"دروازہ کھولو۔" لوہے کے گیٹ پر پہنچ کر انہوں نے کہا۔

چھوٹا دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ وہ باہر نکلے اور احاطے سے ہوتے ہوئے گھر کے دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے ساحرہ کی تیز آواز سنی:

"تم کون ہو؟"

Robber's children

ڈاکو کے بچے

"آپ کون ہیں اور کس سے ملنا ہے؟" بیگم احسان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں ایک ڈاکو ہوں۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے سوچے سمجھے بغیر نکل گیا۔ پھر فوراً ہی وہ بولے: "اور یہ دونوں میرے بچے ہیں، مجھے جیلر صاحب سے ایک بہت پرانا حساب چکانا ہے، کہاں ہیں جیلر صاحب۔" یہ کہتے ہی وہ اندر گھس گئے۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی دیر نہ لگائی۔

"ارے ارے.... یہ تم کیا کر رہے ہو۔"

"جو کچھ کر رہے ہیں، بالکل ٹھیک کر رہے ہیں، مجھے جیل کے ایک ایک ظلم کا حساب آج جیلر صاحب سے لینا ہے۔"

"میں کہتی ہوں نکلو باہر، ورنہ دوبارہ جیل میں ٹھونس دیے جاؤ گے۔" بیگم رازی نے جھلا کر کہا۔

"اس کی کون پروا کرتا ہے، بلائیے اپنے شوہر کو، کہاں چھپ گئے ہیں وہ، جیل میں تو بہت اکڑتے تھے۔"

"سنو! آہستہ بولو، اس وقت وہ گھر میں نہیں ہیں اور ہمارے ہاں کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔" بیگم احسان نے آہستہ آواز میں کہا، لیکن یہ آواز اتنی آہستہ بھی نہیں تھی کہ اندر موجود لوگ سن نہ سکتے۔

"مہمان آئے ہو، یہ تو اور بھی اچھی بات ہے، ان کے سامنے حساب کتاب کر کے اور بھی لطف آئے گا۔" یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے جیب سے پستول نکال لیا۔ پستول کو دیکھ کر وہ گھبرائیں اور پھر انہوں نے بوکھلا کر ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"اب چلو.... اس کمرے میں جہاں سب لوگ موجود ہیں۔" وہ بولے۔

"تم اپنی شامت کو آواز دے رہے ہو۔"

"ہاں! آواز تو کئی بار دے چکا ہوں، لیکن وہ کم بخت جواب ہی نہیں دیتی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا، فاروق نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، کیونکہ یہ جملہ انہوں نے بالکل اس کے انداز میں کہا تھا۔

"اچھا جیسے تمہاری مرضی.... مجھے کیا، پچھتاؤ گے۔" یہ کہہ کر وہ اندر کی طرف چلیں.... ساحرہ کی نظر جوں ہی ان پر پڑی، اس نے تقریباً چلا کر کہا۔

"تم کون ہو؟"

"یہ ایک ڈاکو ہے اور یہ ڈاکو کے بچے ہیں۔" بیگم احسان نے گویا تعارف کرایا۔

"ڈاکو.... کیا مطلب؟" ساحرہ چونکی۔

"ڈاکو کا مطلب تو ڈاکو ہی ہوتا ہے محترمہ.... کیا آپ جیلر صاحب کی مہمان ہیں؟" فاروق سے رہا نہ گیا۔

"ہاں!" اس نے فاروق کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ اور کافی دیر تک بغور اس کی طرف دیکھتی چلی گئی، پھر انسپکٹر جمشید کی طرف مڑی:

"لیکن ایک ڈاکو کا جیلر صاحب کے گھر کیا کام۔"

"یہی بات میں نے بھی ابا جان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، لیکن انھوں نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"تم چپ رہو، تم سے کون پوچھ رہا ہے۔" ساحرہ غرائی۔

"بات یہ ہے محترمہ..... میرے بھائی کی زبان زیادہ بے لگام واقع ہوئی ہے۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔ اسے فاروق پر بے تحاشہ غصہ آرہا تھا۔

"تو تم نے اس کی تھوڑی سی زبان کاٹ کیوں نہ دی، ہاں مسٹر تم نے بتایا نہیں کہ تمہارا یہاں کیا کام؟"

"میں جیلر صاحب سے انتقام لینے آیا ہوں، جیل میں انھوں

نے ہم پر بہت ظلم توڑے تھے۔"

"تمھیں بھی آج ہی آنا تھا۔" ساحرہ نے برا سا منہ بنایا۔

"کیوں.... آج کیا بات ہے....؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کچھ نہیں، خاموشی سے اپنے بچوں کے ساتھ ایک طرف بیٹھ جاؤ، ہم یہاں سے جاتے وقت جیلر صاحب کو تمہارے حوالے کرتے جائیں گے۔" ساحرہ نے منہ بنا کر کہا۔

"میں نے تو سنا تھا کہ آپ ان کی مہمان ہیں۔"

"ہاں، لیکن بن بلائے مہمان ہیں اور بن بلائے مہمانوں کو بھلا کون پسند کرتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"خیر خیر.... مجھے کیا کہ آپ کس قسم کی مہمان ہیں، مجھے تو اپنے مجرم سے غرض ہے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"لوگ مجھے کالا ڈاکو کے نام سے جانتے ہیں، بہت بڑے بڑے ڈاکے ڈالے ہیں میں نے، لیکن ایک مرتبہ پکڑا گیا اور مجھے سزا سنا دی گئی، میں نے بار بار جیل سے بھاگنے کی کوشش کی، ہر بار جیلر صاحب نے میری وہ مرمت کی کہ بس کیا بتاؤں.... لیکن آج میں ان تمام مرمتوں کا حساب چکانے آیا ہوں۔"

"لیکن تم اپنے ساتھ ان بچوں کو کیوں لے کر آئے ہو۔"

"یہ بھی اس آدمی کا حشر دیکھنے کے شوقین ہیں جس نے ان کے باپ پر ظلم توڑا تھا۔"

"ہوں.... خیر تم بیٹھ جاؤ، جیلر صاحب ابھی آتے والے ہوں گے۔"

"بیٹھ جاؤ بھئی۔" انہوں نے خود ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے ان دونوں سے کہا۔ وہ بھی بیٹھ گئے۔ پستول اب تک ان کے ہاتھ میں تھا۔

"اس پستول کو جیب میں رکھ لو.... جب ہم چلے جائیں، اس وقت نکال لینا۔"

"یہ میرے ہاتھ میں کچھ برا تو نہیں لگ رہا۔"

"اچھا جیسے تمہاری مرضی۔"

اسی وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ سر اوپر اٹھا کر جو دیکھا تو حیرت انگیز ترین منظر نظر آیا۔ جیتال جیلر صاحب اور اکرم درانی کے ساتھ چلا آ رہا تھا، اس طرح کہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں نہ پیروں میں بیڑیاں، جب کہ جیتال کے متعلق انہوں نے جیلر صاحب کو یہ ہدایت بھجوائی تھی کہ کوٹھڑی میں بھی اس کی بیڑیاں نہ کھولی جائیں، اس نے ایک نظر سب پر ڈالی، ادھر اکرم درانی نے ساحرہ سے پوچھا:

"میرے پیچھے یہ کیسی تبدیلی آئی؟"

"یہ صاحب ایک ڈاکو ہیں، اپنا نام کالا ڈاکو بتاتے ہیں، جیلر صاحب سے پرانا حساب کتاب چکانے آئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جیلر صاحب نے ان پر بہت ظلم توڑے ہیں۔"

"کالا ڈاکو۔" جیلر صاحب بڑبڑائے۔

"ہاں! کیا میں آپ کو یاد نہیں رہا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں اس نام کے کسی ڈاکو سے واقف نہیں۔"

"اب تو تم یہی کہو گے، لیکن فکر نہ کرو، میں تمہیں جلد یاد دلا دوں گا۔"

"میرا خیال ہے اکرم.... ان لوگوں کو آپس میں حساب کتاب کرنے کے لیے یہیں چھوڑ کر ہمیں چل دینا چاہیے۔"

"بالکل ٹھیک ہے، اس وقت آپ کی اس سے زیادہ خواہش اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ آپ کو رہائی مل جائے۔"

"ہاں!" جیتال بولا۔

"تب پھر چلیے۔"

"یہ کیا چکر ہے مسٹر جیلر.... میں تو یہ سمجھا تھا کہ تم صرف قیدیوں پر ظلم ہی توڑتے ہو، لیکن آج معلوم ہوا، تم لمبی چوڑی رقمیں لے کر قیدیوں کو فرار ہونے کے مواقع بھی فراہم کرتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے تلملا کر کہا۔

"ابھی تم دیکھ ہی لو گے کہ میں کتنا بڑا رشوت خور ہوں۔"

احسان رازی نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"چلو بے بی .... تم ہمارے ساتھ چلو گی، اس ضمانت کے ساتھ کہ تمہارے ڈیڈی ہمارے یہاں سے جانے کے ایک گھنٹے بعد تک کچھ نہیں کریں گے، اب چونکہ یہاں کالا ڈاکو صاحب موجود ہیں، اس لیے ہم انہیں بند کر کے جانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے" یہ کہتے ہوئے اکرم درانی نے احسان رازی کی بیٹی کوثر کو اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا:

"ڈیڈی!" وہ چلائی۔

"خاموش رہو، ہم تمہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے.... بس کچھ دور لے جا کر چھوڑ دیں گے، وہاں سے تم لفٹ لے کر واپس آ جانا"

"بھئی اسے کندھے پر تو نہ ڈالو، باہر لوگ گھوریں گے، اپنے ساتھ ساتھ چلاؤ، پستول اس کے پہلو سے لگائے رکھو" ساحرہ نے اکرم سے کہا۔

"بہت بہتر!" اس نے کہا اور کوثر کو نیچے کھڑا کر دیا، البتہ اسے بازو سے پکڑے رکھا۔

"یہ کیا چکر ہے، یہ کیا ہو رہا ہے" انسپکٹر جمشید نے چلاتے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"تم اب بھی نہیں سمجھے کہ میں نے کتنی بڑی رشوت لی ہے.... میں نے اس مجرم کو ان کے حوالے کر کے پانچ زندگیاں بچائیں اور اب یہ ضمانت کے طور پر میری بچی کو ساتھ لے جا رہے ہیں"

"اوہ.... تو یہ بات ہے.... لیکن کالا ڈاکو اس بچی پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتا.... اے مسٹرز.... تم لوگ اس بچی کو چھوڑ دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ لوگ ایک گھنٹے تک تمہاری گرفتاری کے سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے"

"چپ رہو اور اپنے کام سے کام رکھو، تم نہیں جانتے، ہمارے ہاتھوں میں کیا ہے" اکرم درانی نے غرا کر کہا۔

"کیا ہے.... پستول ہی تو ہیں" انہوں نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں! لیکن یہ عام پستول نہیں ہیں، ان سے موت کی شعاع نکلتی ہے جو آدمی کو پانی اور پتھر کو دھواں بنا دیتی ہے، یہ لوگ اس پستول کا کمال اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور شعاع کی رفتار بجلی کی رفتار کے برابر ہے، کوئی پھرتیلا ترین آدمی بھی اس شعاع سے خود کو بچا نہیں سکتا" ساحرہ نے کہا۔

"کیا یہ سچ ہے جیلر صاحب؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہاں!" جیلر صاحب بولے۔

"اس کے باوجود میں تم لوگوں کو یہاں سے جانے نہیں دوں گا، لیکن اگر تم اس بچی کو چھوڑ دو تو شاید نہ روکوں۔"

"بے وقوف ڈاکو، تم ہمیں کس طرح روک سکتے ہو، کیا اس پستول سے۔" جیتال پھنکارا۔

"ہاں! اس لیے کہ یہ بھی کوئی عام پستول نہیں ہے، ایک خاص پستول ہے.... بلکہ ہم تو تمہیں اس سے بھی معمولی ایک پستول سے روک سکتے ہیں، بیٹے.... ذرا اپنا پستول تو نکال کر انہیں دکھانا۔"

فاروق نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ قہقہہ مار کر ہنسے، کیونکہ وہ ایک کھلونا پستول نظر آتا تھا۔ ساتھ ہی فاروق نے ساحرہ کے ہاتھ کا نشانہ لے کر اس کا ٹریگر دبا دیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا، کیونکہ اس کے ہاتھ کو ایک زبردست جھٹکا لگا تھا ..... ساتھ ہی فاروق نے اکرم درانی کے ہاتھ پر فائر کیا۔ اس کا حشر بھی وہی ہوا۔ وہ ہکا بکا رہ گئے۔

"اوہ ..... ارے ..... یہ لوگ تو وہ ہیں۔" جیتال دھاڑ کر بولا۔

اس کے ساتھ ہی کان پھاڑ دینے والا ایک دھماکا

ہوا اور کمرے میں گہرا دھواں بھر گیا۔ دھواں اس قدر تیز تھا کہ ان سب کو آنکھیں بند کرنا پڑیں اور پھر انہیں اپنے دم گھٹتے محسوس ہوئے۔ وہ بیٹھتے چلے گئے .... پھر فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

Who was she?

وہ کون تھی؟

ان میں سے سب سے پہلے انسپکٹر جمشید کی آنکھ کھلی۔ انہوں نے آنکھوں میں شدید جلن محسوس کی۔ باتھ روم میں گھس کر انہوں نے جلدی جلدی پانی کے چھینٹے مارے، اس سے کچھ سکون محسوس ہوا۔ کمرے میں آکر انہوں نے دیکھا، جیتال، اپنے دونوں ساتھیوں اور جیلر صاحب کی بیٹی سمیت غائب تھا، باقی لوگ ابھی تک جوں کے توں فرش پر پڑے تھے۔ انہوں نے فاروق اور فرزانہ کو جھنجھوڑا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"ابا جان! آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی ہے۔"

"ہاں! غسل خانے میں جا کر چھینٹے مارو..... میں انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد سب لوگ بیدار ہو چکے تھے، احسان رازی نے ہوش میں آتے ہی اپنی بیٹی کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں، ان کی بیگم تو زور زور سے رونے لگیں۔

"گھبرائیے نہیں، ہم بہت جلد آپ کی بیٹی کو ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"تم کیا ڈھونڈ نکالو گے، تم تو ایک ڈاکو ہو جو میرے شوہر سے انتقام لینے آیا ہے۔"

"اوہ ہاں! یہ بتانا تو بھول ہی گیا.... تھوڑی دیر پہلے میری بیٹی اپنی کاپی تبدیل کرنے یہاں آئی تھی۔ اس نے یہ بات بھانپ لی تھی کہ آپ کے ہاں کوئی گڑبڑ ضرور ہے..... اس کا نام فرزانہ ہے اور مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں.... خود کو ڈاکو تو میں نے اس لیے کہا تھا کہ وہ لوگ میری طرف خاص توجہ نہ دیں اور میں جیتال کو فرار نہ ہونے دوں، لیکن دھوئیں کے اس بم نے کام خراب کر دیا.... ویسے دھوئیں کا بم مارنے سے ایک لمحے پہلے وہ خود بھی ہمیں پہچان گئے تھے اور یہ اس وقت ہوا جب فاروق نے پستول سے فائر کر کے ان کے پستول گرا دیے۔"

"اف خدا..... یہ..... یہ آپ لوگ ہیں۔" احسان رازی نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"ہاں! لیکن افسوس ہم یہاں پہنچ کر بھی اس واردات کو ہونے سے نہ روک سکے اور ایک بہت بڑا مجرم فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔"

"لیکن انسپکٹر صاحب! میری بچی کا کیا بنے گا؟"

"جیتال بہت عقل مند دشمن ہے، وہ آپ کی بچی کو بالکل کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، ویسے ہم ایک گھنٹے تک اس کی

تلاش کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھائیں گے بھی نہیں ....''

''ابا جان! محمود ..... محمود اب تک اندر نہیں آیا، آپ نے اسے آدھ گھنٹا دیا تھا.... آدھ گھنٹا گزرنے کے بعد اسے اپنی عقل سے کام لینا تھا....''

''ہاں واقعی.... ہمیں سب سے پہلے اس کی خبر لینی چاہیے۔'' انسپکٹر جمشید بولے اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتے کمرے سے نکل گئے، فاروق اور فرزانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا.... جیلر صاحب سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

تینوں بنگلے سے باہر نکلے، اب اس چھوٹی سی کار کا کوئی پتا نہیں تھا جو کچھ دیر پہلے دروازے پر کھڑی تھی، وہ تیز چلتے ہوئے اس جگہ پہنچے۔ جہاں محمود کو چھوڑا تھا۔ ان کی کار اور فاروق کی موٹر سائیکل جوں کی توں کھڑی تھیں۔ البتہ محمود کی موٹر سائیکل وہاں موجود نہیں تھی۔

''معلوم ہوتا ہے، محمود ان کے تعاقب میں نکل گیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''اور یہ اچھا ہی ہوا.... اب ہم امید کر سکتے ہیں کہ مجرموں کا کوئی سراغ مل جائے گا۔'' فرزانہ نے کہا۔

''لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے تعاقب کرتے دیکھ کر وہ کوثر کو کوئی نقصان پہنچا دیں۔''

''ایک موٹر سائیکل سوار لڑکے کو اپنے تعاقب میں اگر انہوں نے دیکھ بھی لیا تو وہ اس سے خوف زدہ کس طرح ہو سکتے ہیں، وہ تو وہ لوگ ہیں جو جیتال کو جیلر کے ذریعے رہا کرائے لیے جا رہے ہیں.... اور پھر اب تو جیتال ان کے ساتھ ہے، اب تو وہ اور بھی دلیر ہو گئے ہوں گے، میں جیتال سے یہ امید نہیں کرتا کہ وہ کوثر کو کوئی نقصان پہنچانے کی اجازت دے گا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''لیکن ابا جان! اب آپ کیا کریں گے، جیتال ایک بار پھر فرار ہو چکا ہے۔'' فرزانہ نے فکر مند ہو کر کہا۔

''ایک گھنٹے تک تو میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھوں گا، پھر جونہی ساٹھ منٹ پورے ہوں گے، میرا کام شروع ہو جائے گا.... ہم محمود کی تلاش میں نکلیں گے، ظاہر ہے، محمود وہیں ہو گا جہاں جیتال اور اس کے ساتھی.... تاہم میں دو ایک فون ابھی کیے دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ فون پر جت گئے۔

''تو آپ کے خیال میں انہوں نے ہمیں پہچان لیا تھا۔'' ان کے فارغ ہونے کے بعد فاروق نے کہا۔

''ہاں! جب ان کے ہاتھوں سے شعاعی پستول نکل گئے اور وہ بھی اس طرح کہ تمہارے پستول سے کوئی گولی بھی نہیں نکلی تو وہ جان گئے کہ مقابلہ کن لوگوں سے ہے۔ لہذا انہوں نے

دھوئیں کا بم مارا اور نکل گئے۔"

"سوال یہ ہے کہ یہ ساحرہ درانی اور اکرم درانی کہاں سے ٹپک پڑے؟"

"انہیں ضرور جیتال کی حکومت نے بھیجا ہو گا.... یا پھر یہ دونوں پہلے سے ہمارے ملک میں موجود ہوں گے، یہ بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ دونوں کے دونوں میک اپ میں تھے۔"

"اوہ! تو کیا اس کا اندازہ ہے کہ وہ ہمارے لیے جانے پہچانے ثابت ہوں۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"ہاں! امید کی جا سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید عجیب انداز میں مسکرائے۔

"ابا جان! آپ کے مسکرانے کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیسے آپ انہیں پہچان چکے ہوں۔" فاروق نے انہیں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" وہ بولے۔

"تو پھر بتایئے نا.... وہ کون تھے۔"

"کم از کم ساحرہ کے بارے میں میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اسابیہ تھی۔"

"کیا!!!" دونوں زور سے چلائے۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"احسان صاحب! آپ پولیس میں رپورٹ درج کرا دیں، ساتھ ہی اپنی بیٹی کے اغوا کی رپورٹ بھی کریں تاکہ آپ کے خلاف ردِ عمل زیادہ تیز نہ رہے.... ہم اب مجرموں کی تلاش میں نکلتے ہیں، کوثر کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ وہ جلد یہاں پہنچ جائیں گی، آپ ان کے بارے میں فکر مند نہ ہوں، میں جیتال کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ بولے۔

انسپکٹر جمشید نے ایک بار پھر چند ٹیلیفون کیے اور ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

"ایئر پورٹ، ریلوے اسٹیشن اور بس سٹینڈ وغیرہ، اس وقت کڑی نگرانی میں ہیں.... جیتال کتنا بھی میک اپ کرے، اپنے قد کو تو ہرگز نہیں چھپا سکتا، چنانچہ میں نے ہدایات بھی دی ہیں کہ کسی بھی غیر معمولی لمبے آدمی کو جس کے ساتھ ایک اور لمبا آدمی اور ایک عورت بھی ہے، جانے نہ دیا جائے..... میں نے یہ بھی ہدایت کر دی ہے کہ ہو سکتا ہے، وہ ایک ایک کر فرار ہونے کا پروگرام بنائیں.... اس لیے کسی تنہا

غیر معمولی حلیے آدمی کو بھی روک لیا جائے اور فوراً دفتر اطلاع دی جائے۔ ہم وقتاً فوقتاً دفتر سے فون پر رپورٹ لیتے رہیں گے۔"

"ان حالات میں تو ہم اس وقت تک یہاں رک سکتے ہیں جب تک کہ کوثر واپس نہیں آجاتی، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمیں اس سڑک کا پتا چل جائے گا جس پر وہ گئے ہیں۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"لیکن اس طرح وقت ضائع ہونے کا امکان زیادہ ہے، فرض کیا، کوثر کو آنے میں بہت دیر لگ گئی تو؟" انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا۔

فرزانہ کوئی جواب نہ دے سکی.... وہ انہیں لے کر باہر نکلے اور کار میں بیٹھ کر اس جگہ آئے جہاں محمود کو چھوڑا تھا۔ اس جگہ سے تین سڑکیں مختلف سمتوں کو جاتی تھیں۔

"تمہارے خیال میں ہمیں سب سے پہلے کون سی سڑک پر چلنا چاہیے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"محمود نے کوئی نشان ضرور چھوڑا ہوگا۔" فاروق بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے.... اس کے بغیر وہ تعاقب میں نہیں نکلا ہوگا.... تو پھر نشان کی تلاش ہمیں اسی جگہ کرنی چاہیے جہاں وہ کھڑا تھا، اس نے مجرموں کو کار میں فرار ہوتے دیکھا ہوگا، ان کے ساتھ کوثر کو دیکھ کر وہ سمجھ گیا ہوگا کہ کیا ہو رہا ہے؛

چنانچہ پہلے اس نے کار کو نکل جانے دیا ہوگا اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ کار نے کس سڑک کا رخ کیا ہے تو اس نے ضرور اس طرف کوئی اشارہ کیا ہوگا.... فاروق.... فرزانہ.... غور سے دیکھو.... اشارہ یہیں کہیں ہوگا۔"

آس پاس سے گزرنے والے انہیں حیران ہو کر دیکھتے ہوئے گزرنے لگے کہ نہ جانے یہ لوگ سڑک پر کیا چیز تلاش کر رہے ہیں۔ آخر ایک راہگیر سے رہا نہ گیا:

"کیوں بھئی.... کیا آپ لوگوں کی کوئی قیمتی چیز گم ہو گئی ہے؟"

"جی ہاں! ہماری یادداشت گم ہو گئی ہے، اس کو تلاش کر رہے ہیں۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"بری بات ہے، فاروق۔" انسپکٹر جمشید نے اسے ڈانٹا۔

"تو ابا جان! میں انہیں کیا بتاؤں کہ کیا چیز گم ہو گئی ہے؟"

"ہوں! یہ بھی ٹھیک ہے.... خیر.... اپنا کام کرو۔"

"ابا جان.... ذرا اس نشان کو دیکھیے۔" فرزانہ کے منہ سے پُرجوش لہجے میں نکلا۔

انسپکٹر جمشید اور فاروق ایک ساتھ اس نشان پر جھک گئے۔ انہوں نے دیکھا، یہ ایک نیلے رنگ کی پنسل سے بنایا

ہوا نشان تھا۔

"کیا اس کی جیب میں کوئی نیلی پنسل بھی ہوتی ہے؟"

"جی ہاں! اس قسم کی چھوٹی موٹی چیز ہم اپنے پاس رکھتے ہیں۔"

"تو پھر یہ نشان جنوبی سڑک کی طرف اشارہ کر رہا ہے..... اور جنوبی سڑک .... تم جانتے ہو، سمندر کی طرف جاتی ہے۔"

"اوہ ..... کیا آپ نے بندرگاہ پر بھی نگران مقرر کیے ہیں؟" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"کیے ہیں، لیکن ساحلِ سمندر تو میلوں میں پھیلا ہوا ہے اور کسی جگہ سے بھی وہ لانچ کے ذریعے فرار ہو سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے:

"تو کیا آپ مایوس ہو رہے ہیں؟"

"نہیں! مایوسی گناہ ہے، ہم اپنی کوشش جاری رکھیں گے ...... ایک بار مجھے کوثر کے واپس پہنچنے کی اطلاع مل جائے، اس کے بعد میں ان کی تلاش میں دنیا کے کسی بھی حصے میں جانا پڑ جائے تو جاؤں گا۔" انہوں نے پُرعزم لہجے میں کہا اور کار میں بیٹھ گئے۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی فوراً پچھلا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھتے ہوئے دروازہ بند کر لیا۔ دوسرے ہی لمحے ان کی کار جنوبی سڑک کی طرف جا رہی تھی۔

"میں حیران ہوں .... آخر جیتال کی حکومت کو اسے چھڑانے کا خیال کیوں آ گیا۔" فرزانہ بولی۔

"خیال تو انہیں شروع سے ہی آ رہا ہو گا، منصوبہ بنا رہے ہوں گے، سب سے پہلے تو انہیں تلاش ہو گی دو ایسے آدمیوں کی جو اسے چھڑانے کی ذمے داری لے سکیں.... آخر انہیں اسابیہ اور اس کا ساتھی مل گئے۔ ساتھی کے بارے میں میں ابھی تک اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ کون تھا، انہوں نے دونوں کو شعاعی پستول دے کر ادھر بھیج دیا.... یہاں آ کر انہوں نے حالات کا جائزہ لیا، احسان رازی اور اس کے گھر کے افراد کے بارے میں معلومات حاصل کیں.... ان کے روزمرہ کے کاموں کے بارے میں واقفیت حاصل کی اور پھر آ دھمکے.... جسموں پر بلٹ پروف چڑھا لیے ہوں گے، ان حالات میں جب شعاعی پستول ساتھ ہوں اور دھوئیں کے بم جیسی چیزوں سے لیس ہوں تو دوسرے بیچارے کر ہی کیا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"دوسرے لفظوں میں ہم اس بار بازی ہار گئے۔" فاروق نے حسرت زدہ آواز میں کہا۔

"ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ محمود ان کے تعاقب میں ہے ..... ہم محمود کے پیچھے جا رہے ہیں، اگر وہ سمندر کے راستے

فرار نہ ہو گئے تو بہت جلد ہم ان سے ایک بار پھر ٹکرائیں گے اور اگر سمندر میں داخل ہو چکے ہیں، تو بھی ہم ان کے پیچھے جائیں گے..... انہیں تلاش کریں گے، کیونکہ جیتال کا رہا ہونا ہمارے لیے کسی بڑی مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔ اور اب تو اسابیہ جیسی چالاک عورت اس کے ساتھ مل گئی ہے..... ذرا سوچو..... جیتال اور اسابیہ مل کر اگر کوئی سازش کریں تو یہ کس قدر خوفناک بات ہو گی۔" ان کا لہجہ فکر سے بھرپور تھا۔

"ہوں..... اس کا مطلب ہے، ہمیں ہر حال میں انہیں گرفتار کرنا ہے۔"

"ہاں! ورنہ کسی بڑے خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔"

ساحل پہ پہنچ کر انہوں نے دائیں بائیں نظریں گھمائیں، محمود کا کوئی نام و نشان تک نظر نہیں آیا:

"اب ہم صرف یہ کر سکتے ہیں کہ اس جگہ سے پہلے دائیں طرف ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے جائیں اور جہاں تک ممکن ہے، اہو آئیں، پھر بائیں طرف..... محمود نے کوئی نشان تو چھوڑا ہو گا..... اس کی موٹر سائیکل ہی شاید کہیں مل جائے۔"

"ٹھیک ہے، یہی کرنا چاہیے۔" فرزانہ نے کہا۔

وہ دائیں سمت میں چل پڑے..... رفتار بہت آہستہ تھی، یوں بھی ریت پہ چلنا پڑ رہا تھا اور کار کے پہیے اس میں دھنسے جا رہے تھے:

"ابا جان! کیوں نہ ہم کار کی بجائے اونٹوں پہ چلیں۔" فاروق نے ایسے موقعے پر کہا۔

"اونٹوں والے آخر کہاں تک ہمیں لے جائیں گے، ہمیں تو اپنی منزل کا پتا ہی نہیں ہے۔"

"لیکن ابا جان! کار کی رفتار تو نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"پروا نہ کرو۔"

راستے میں ایک ہوٹل پہ ان کی نظر پڑی تو وہ فون کرنے اتر گئے۔ انہوں نے دونوں کو کار میں ہی ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس بار ناکامی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔" فاروق نے سرد آہ بھر کر نیلے آسمان کی طرف دیکھا۔

"تمہیں معلوم ہوتا ہو گا ایسا، اور تمہارا ہی مقدر بن چکی ہو گی ناکامی، میں نے تو ہمیشہ کامیاب ہونا سیکھا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"سیکھا ہے تو تم اس طرح کہہ رہی ہو جیسے سکول میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہو۔"

"اور کیا.... سکول میں تو سیکھتے ہیں ہم سب کچھ....... وقتی طور پر ناکامی سے گھبرا نہیں جانا چاہیے۔" فرزانہ نے کہا۔

"خیر خیر.... دیکھوں گا، تم کب تک نہیں گھبراتیں۔"

"گویا تم مجھے صرف گھبراتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہو۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"ہاں!" فاروق مسکرایا۔

"تو پھر منہ دھو رکھو..... میں نے گھبرانا بھی نہیں سیکھا۔"

"نہ جانے تم نے کیا کچھ سیکھ رکھا ہے اور کیا کچھ نہیں سیکھ رکھا..... لو وہ ابا جان آ گئے۔" فاروق نے بھی جلے کٹے لہجے میں کہا۔

فرزانہ نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا، انسپکٹر جمشید تیز تیز چلے آ رہے تھے، نزدیک آتے ہی انہوں نے کہا۔

"احسان رازی کی بیٹی کوثر گھر پہنچ گئی ہے، اس

کے گھر پہنچتے ہی احسان رازی نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے، پولیس نے انہیں گرفتار نہیں کیا، اس سلسلے میں قانون کے ماہرین سے رائے طلب کی ہے، اب دیکھیں، وہ کیا رائے دیتے ہیں۔"

تعاقب کی کہانی

دائیں طرف تقریباً تین میل تک دیکھ ڈالنے کے بعد وہ واپس مڑے، کیونکہ آگے خار دار جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور اس جگہ سمندر کی لہریں بھی بہت خوفناک تھیں۔ سیر کے لیے آنے والے کئی لوگ ان لہروں کی نذر ہو چکے تھے.... واپس مڑتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے کہا:

"جہاں تک میرا خیال ہے، وہ اس حد تک نہیں آ سکتے تھے... انہیں ایک ویران ساحل کی ضرورت ہو گئی، اور ویرانی دو میل پہلے ہی شروع ہو چکی تھی، خیر میں احتیاطاً یہاں تک آ گیا ہوں۔"

"ابا جان! اگر بائیں طرف بھی ہمیں کوئی سراغ نہ ملا تو؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"تو میں یہ سمجھوں گا کہ ان لوگوں نے محمود کو دھوکا دیا ہے اور آگے آ کر کسی اور سڑک پر مڑ گئے ہوں گے.... اس صورت میں بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آخر محمود ان کے پیچھے ہے.... اور محمود کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں، میدانِ

عمل میں کود پڑنے کی عادت اس میں تم دونوں کی نسبت کہیں زیادہ ہے، خطرات کی پروا کیے بغیر وہ ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، چنانچہ میں بھی امید کرتا ہوں کہ وہ ضرور کوئی کام دکھائے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

وہ واپس تین میل پہنچے اور بائیں طرف کا سفر شروع ہوا۔ ابھی صرف دو میل ہی چلے ہوں گے کہ ایک جگہ محمود کی موٹر سائیکل پڑی نظر آئی۔

"پہلا سراغ۔" فاروق نے پرجوش لہجے میں کہا۔

وہ کار سے اتر کر موٹر سائیکل کے پاس آئے، چاروں طرف دیکھا، آس پاس کوئی بھی انسان نظر نہیں آ رہا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اسا بیہ اور اس کے ساتھی کی کار بھی یہاں نہیں تھی، وہ کار جو وہ احسان رازی کے گھر کے باہر دیکھ چکے تھے، ظاہر ہے، مجرم اس کے ذریعے یہاں تک آئے تھے.... پھر آخر وہ کار کہاں گئی اور اگر مجرم کار میں یہاں تک نہیں آئے تھے تو محمود کی موٹر سائیکل کا یہاں کیا کام تھا۔ انسپکٹر جمشید بھی سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر چونک کر آگے بڑھے اور ایک جگہ کار کے ٹائروں کے نشانات دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا... دوسرے

ہی لمحے وہ حیران رہ گئے۔ کار کے ٹائروں کے نشانات پانی تک چلے گئے تھے:

"یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کار ہی سمندر میں اتر گئی ہو۔"

"تو پھر وہ کار کے علاوہ لانچ بھی ہو گی، آجکل ایسی کاریں بھی تو بن چکی ہیں، جو ضرورت کے وقت ایک لانچ میں تبدیل ہو سکیں۔" فاروق نے کہا۔

"شاید یہی بات ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ محمود کہاں گیا، وہ کار کا تعاقب کرتا یہاں تک آیا تھا، ظاہر ہے جیتال وغیرہ نے اسے دیکھ لیا ہو گا.... تو.... تو کیا وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" فرزانہ نے کہا اور انہیں اپنے دم گھٹتے محسوس ہوئے۔

"اس کے علاوہ کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا.... ظاہر ہے محمود کو یہ امید ہرگز نہیں ہو گی کہ وہ کار لانچ میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے..... اس نے اچانک یہ ہوتے دیکھا ہو گا تو وہ بوکھلا گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے، بوکھلاہٹ میں اس سے کوئی غلط حرکت سرزد ہو گئی ہو۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"سوال یہ ہے کہ ایسی کار ہمارے ملک میں کہاں سے آ گئی۔"

"یہ کچھ مشکل نہیں، جیتال کے ملک کا کوئی جہاز اسا بیہ اور اس کے ساتھی کو کار سمیت سمندر میں ہمارے ملک کے ساحل کے نزدیک کہیں اتار گیا ہو گا، وہاں سے وہ لوگ ساحل پر آئے اور لانچ کو کار کی صورت میں لا کر شہر پہنچ گئے....."

"اوہ!" دونوں حیرت زدہ رہ گئے، محمود کا خیال انہیں لمحہ بہ لمحہ ستانے لگا۔

"ابا جان! پھر تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیتال محمود کو اپنے ساتھ لے گیا ہو.... اور اب تک ان کی لانچ اس جہاز پر سوار کی جا چکی ہو۔" فرزانہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں! اس کا بھی امکان ہے، خدا سے دعا کرو۔ آؤ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ انہیں فکر میں ڈوبا ہوا محسوس ہوا۔ انہوں نے انہیں اتنا فکر مند بہت کم موقعوں پر دیکھا تھا۔

○

ایک بڑی سی لانچ کرائے پر لینے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ لانچ کے ڈرائیور کو انہوں نے کچھ ہدایات دی اور سمندر کا سفر شروع ہو گیا۔ فاروق اور فرزانہ گہری

خاموشی کے عالم میں تھے .... یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید بولے:

"فاروق! تمہاری خاموشی مجھے دہلائے دے رہی ہے، خاموش نہ بیٹھو.... مایوس نہ ہو، ورنہ ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

"نہیں ابا جان! میں مایوس نہیں ہوا۔"

"تو پھر خاموش کیوں ہو، چہکتے کیوں نہیں، آواز دو اپنی اوٹ پٹانگ باتوں کو۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"جی بہتر! اے میری پیاری اوٹ پٹانگ باتو..... آؤ اور مجھے اپنے گھیرے میں لے لو....." اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا اور فرزانہ بے ساختہ ہنس دی۔

"کیا میرا جملہ مزاحیہ تھا۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ن.... نہیں تو۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر تم کیوں ہنس پڑیں۔"

"تمہارا دل رکھنے کے لیے۔" فرزانہ نے شریر انداز میں کہا۔

"خبردار! جو تم آئندہ میرا دل رکھنے کے لیے ہنسیں، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ مجھ پر ترس کھایا جائے۔" فاروق نے منہ بنایا، اور پھر انسپکٹر جمشید سے بولا:

"ابا جان! آپ فکر نہ کریں، ایک بار مجھے دشمن کا وہ جہاز نظر آ لینے دیں، پھر دیکھیے گا، میں محمود کے لیے کیا کرتا ہوں۔"

"کیا کرو گے.... کیا اس کے لیے آسمان سے تارے توڑ لاؤ گے۔"

"میری اچھی بہن.... اسے اس وقت آسمان کے تاروں کی نہیں، دشمن کی قید سے رہائی کی ضرورت ہے، تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تو کیا تم تنہا ایک جہاز سے ٹکرا جاؤ گے۔" فرزانہ بھی مذاق اڑانے سے باز نہیں آ رہی تھی۔

"ہاں ٹکرا جاؤں گا۔"

"بہت خوب! بس میں یہی چاہتا تھا، تم ذرا تھوڑی دیر تک اپنی یہ نوک جھونک جاری رکھو، میں ڈرائیور سے دو چار باتیں کر آؤں۔"

"لیکن ابا جان! ہم اپنی نوک جھوک کسے سنائیں گے۔" فاروق نے مایوس ہو کر کہا۔

"لانچ کو... سمندر کو، سمندر کی مخلوق کو..... اور تم کس کس کو سناؤ گے۔"

"جی بہتر! آپ کی واپسی تک کے لیے یہی چیزیں کافی ہیں۔" فاروق نے مسمی صورت بنا کر کہا اور وہ مسکراتے ہوئے کیبن سے باہر نکل گئے۔

ڈرائیور ایک نوجوان آدمی تھا۔ اس کا نام مقبول احمد تھا.... شکل و صورت سے کافی تجربہ کار نظر آتا تھا۔ انسپکٹر جمشید کو اپنے کیبن میں داخل ہوتے دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو

گیا۔ وہ اس سے اپنا تعارف پہلے ہی کرا چکے تھے۔

"فرمائیے جناب!"

"میں صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ ہم کتنی دیر میں اس جہاز کو دیکھ سکیں گے۔"

"میں انتہائی تیز چل رہا ہوں جناب.... میری لانچ اس جہاز سے یقیناً زیادہ ہے.... آپ کے خیال کے مطابق، وہ جہاز تقریباً ڈیڑھ گھنٹا پہلے روانہ ہوا تھا، اس حساب سے دشمن ملک کی سمندری حدود تک پہنچنے میں ابھی اسے دو گھنٹے اور لگیں گے، آپ یہی چاہتے ہیں نا کہ میں آپ کو اس تک دو گھنٹے سے پہلے پہنچا دوں۔"

"ہاں! کیا آپ ایسا کر سکیں گے۔"

"مجھے زبردست امید ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ.... یہاں میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اس جہاز کے ذریعے ہمارے ملک کا ایک بہت بڑا مجرم فرار ہو رہا ہے اور ساتھ میں وہ میرے بیٹے کو بھی اغوا کیے لے جا رہے ہیں، اس مجرم کے فرار ہونے کی صورت میں ہمارے ملک کو کسی بڑی پریشانی کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔"

"میں سمجھ گیا جناب! میں نے آپ کے اور آپ کے بچوں کے کارناموں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے، میں اسے

اپنی خوش قسمتی سمجھ رہا ہوں کہ اس مہم میں میں آپ کا ساتھ دے رہا ہوں.... لیکن میں حیران ہوں کہ آپ تینوں پورے ایک جہاز کا کس طرح مقابلہ کر سکیں گے۔"

"یہ تو میں اس جہاز تک پہنچنے کے بعد سوچوں گا.... ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"اچھی بات ہے.... آپ مطمئن رہیں اور اپنے بچوں کے ساتھ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں، خدا نے چاہا تو دو گھنٹے سے پہلے میں جہاز آپ کو دکھا دوں گا، بشرطیکہ دشمن ملک کی سمندری حدود کی طرف کوئی جہاز سفر کر رہا ہو۔"

"مجھے یقین ہے، ایسا ضرور ہو رہا ہے، کیونکہ وہ لوگ اس چھوٹی سی کار نما لانچ کے ذریعے اتنا لمبا سفر نہیں کر سکتے.... آپ کی لانچ تو پھر بہت بڑی ہے۔"

"ہاں! آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" مقبول احمد نے کہا۔

"ویسے سمندر میں لانچ چلاتے آپ کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔"

"کئی سال ہو گئے ہیں.... پہلے میں ریڈیو مکینک تھا.... لیکن لانچ چلانے کا بہت شوقین تھا.... آخر میرا شوق مجھے اس لائن کی طرف کھینچ لایا۔"

"ہوں.... خدا کرے ہماری یہ مہم کامیاب ثابت ہو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور واپس اپنے کیبن میں داخل ہو گئے۔

فوراً ہی وہ چونک اٹھے۔ انہوں نے دیکھا، فاروق اور فرزانہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔

"ارے ارے.... یہ کیا کر رہے ہو، میں نے تمہیں اوٹ پٹانگ باتیں کرنے کے لیے کہا تھا، نہ کہ لڑنے جھگڑنے کے لیے۔"

"جی ذرا ہم جسمانی نوک جھوک پہ اتر آئے تھے۔" فاروق نے فرزانہ کے بال چھوڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے ابا جان!" فرزانہ نے بھی اس کی گردن پر سے ہاتھ ہٹا لیے۔

"آخر تم دونوں کس بات پر جھگڑ پڑے۔"

"جی بس باتوں باتوں.... ہم کونسا کبھی کسی خاص بات پر لڑتے ہیں۔" فرزانہ شرمسار لہجے میں بولی۔

"خیر.... ڈرائیور کا کہنا ہے کہ ہم دو گھنٹے سے پہلے اس جہاز تک پہنچ جائیں گے، جس کے ذریعے جیتال اور اسابیہ فرار ہو رہے ہیں، اور محمود کو ساتھ لے جایا جا رہا ہے۔"

"سوال یہ ہے ابا جان! اس جہاز کو دیکھ لینے سے تو مسئلہ حل نہیں ہو جائے گا۔"

"یہ فیصلہ ہم بعد میں کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے، پہلا

مسئلہ تو جہاز تک پہنچنے کا ہے۔"

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ انہیں محمود کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہو سکتا ہے، محمود ان کے راستے میں آ گیا ہو اور انہوں نے ساحل پر چھوڑنے کی بجائے ساتھ لے جانا پسند کیا ہو، اوہ ہاں! میں سمجھ گیا، دراصل جیتال کے خیال میں ہم ان کا سراغ لگاتے ہوئے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے، لیکن اگر وہ محمود کو یہاں چھوڑ جاتا تو محمود ہمیں فوری طور پہ اطلاع دیتا اور ہم ان کے تعاقب میں روانہ ہو جاتے، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ بے فکر ہو کر جا رہے ہوں گے۔"

"ضرور یہی بات ہے۔"

ٹھیک سوا گھنٹے بعد انہیں ایک چھوٹا سا جہاز دکھائی دیا، لیکن یہ چھوٹا سا جہاز ان کی لانچ سے کئی گنا بڑا تھا، اس کے ڈیک پہ دوربینیں لیے کئی لوگ موجود تھے.... یہ ایک تجارتی جہاز تھا۔ انہوں نے جہاز کو اور جہاز والوں نے لانچ کو دیکھ لیا۔

"میرے لیے اب کیا حکم ہے جناب؟" ڈرائیور مقبول احمد نے بلند آواز میں پوچھا۔

"لانچ کو جہاز کے نزدیک لے چلیں۔"

"اس میں خطرہ ہے، وہ لانچ کو تباہ کر سکتے ہیں۔" مقبول احمد نے کہا۔

"اس کے بغیر چارہ بھی نہیں، نزدیک نہیں جائیں گے تو ہم ان سے بات کس طرح کریں گے۔"

"بہت بہتر!" یہ کہہ کر مقبول احمد لانچ کو تیزی سے جہاز کی طرف لے جانے لگا۔ درمیانی فاصلہ لمحہ بہ لمحہ کم ہونے لگا، یہاں تک کہ جہاز پر سے ایک آواز ابھری.... شاید لاؤڈ سپیکر استعمال کیا گیا تھا:

"ٹھہرو.... تم کہاں بڑھے چلے آرہے ہو، کیا ارادے ہیں تمہارے۔"

"یہ جہاز کس ملک کا ہے.... کہاں جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ کے گرد دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے بلند آواز نکالی۔

"تم کون ہو.... یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہو؟" پوچھا گیا۔

"ہمارا خیال یہ ہے کہ اس جہاز پر ہمارے ملک کا ایک مجرم لے جایا جا رہا ہے اور ساتھ ہی ایک لڑکے کو اغوا کر کے لے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے.... جہاز اس وقت ہمارے ملک کی سمندری حدود میں ہے، لہذا مجھے اس کی تلاشی کا حق پہنچتا ہے۔"

"ٹھہرو! ہم کپتان سے بات کر کے جواب دیتے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور خاموشی چھا گئی۔ انسپکٹر جمشید نے مقبول احمد سے کہا۔

"آپ بدستور جہاز کی طرف بڑھتے رہیں۔"

"جناب میں پھر کہوں گا، یہ خطرناک بات ہو گی۔"

"بھئی وہ ایک تجارتی جہاز ہے، اس سے بھلا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"تجارتی جہازوں کی حفاظت کے لیے بھی چھوٹی توپیں لگائی جا سکتی ہیں.... خاص طور پر ایسے جہاز میں جو ہمارے ملک کے ایک قیدی کو بھگا کر لے جا رہا ہے۔"

"دیکھیے مسٹر مقبول.... یہ معاملہ ملک اور قوم کا معاملہ بھی ہے، صرف میرے بیٹے کا نہیں.... جیتال اگر فرار ہو گیا تو یہ ملک اور قوم کے لیے بہت نقصان دہ ہو گا۔"

"اچھی بات ہے، میں بدستور جہاز کی طرف بڑھتا رہوں گا۔" اس نے کہا۔

اسی وقت جہاز پر سے آواز ابھری.... اس بار بات کرنے والا انہیں صاف نظر آیا، انہوں نے دیکھا، وہ جیتال تھا:

"ہیلو انسپکٹر جمشید! تم سے اس مقام پر مل کر بہت خوشی

ہوئی، ویسے مجھے امید نہیں تھی کہ تم جہاز تک پہنچ سکو گے، خیر یہ تمہاری صلاحیتوں کا ایک اور ثبوت ہے، لیکن میرے دوست اپنے لانچ ڈرائیور سے کہو کہ اب جہاز کی طرف مزید نہ بڑھے ..... اس جہاز کو تجارتی نہ سمجھا جائے، بظاہر یہ ایک تجارتی جہاز ہی ہے اور تمہارے ملک میں تجارت کرنے ہی آیا تھا، میرے ساتھی اسابیہ اور ڈونکل اسی جہاز کے ذریعے یہاں تک آئے تھے اور پھر ساحل کے نزدیک انہیں لانچ نما کار میں سوار کر کے سمندر میں اتار دیا گیا تھا۔ جہاز پروگرام کے مطابق آج بندرگاہ سے روانہ ہو کر سمندر میں آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا کہ لانچ مجھے، اسابیہ اور ڈونکل کو لے کر پہنچ گئی، چنانچہ ہم جہاز میں سوار ہو گئے، یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہ جہاز جس ملک کا ہے، اس کے تعلقات میرے ملک سے بھی ہیں اور باقاعدہ ساز باز کر کے اسے بھیجا گیا ہے۔"

"ہوں! میں اس ملک کا نام دیکھ چکا ہوں.... ان سے بھی بات کر لی جائے گی۔" انسپکٹر جمشید غرائے۔

"ارے انسپکٹر جمشید! تمہارے ڈرائیور نے لانچ کو روکا نہیں ..... بھئی اسے روکو، ورنہ ادھر سے ہم بھی کارروائی کرنے پر مجبور ہوں گے اور ہلکی توپ کا صرف ایک گولہ تمہاری لانچ کے لیے کافی ہو گا۔" جیتال نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"محمود کہاں ہے؟" انسپکٹر جمشید نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"ہمارے ساتھ ہے .... بہت آرام سے ہے، اسے کوئی تکلیف نہیں ہونے دی گئی۔" جیتال ہنس کر بولا۔

"تو بس اسے ہمارے حوالے کر دو، مجھے تم سے کوئی غرض نہیں.... جاتے ہو تو جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ارے ارے .... یہ کیا کہہ رہے ہو انسپکٹر۔"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"اچھا تو سنبھالو محمود کو.... ہمیں بھی اس کا کیا کرنا ..... لیکن یاد رہے، محمود کو لانچ میں سوار کراتے ہی تمہاری لانچ کا رُخ تبدیل ہو جانا چاہیے، ورنہ ہم کوئی رعایت نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے، لانچ کا رُخ تبدیل ہو جائے گا، ہاں .... یہ اسابیہ نظر نہیں آ رہی ہے۔"

"وہ اس وقت سو رہی ہے۔"

"اور یہ ڈونکل کون ذات شریف ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"اسابیہ کا غلام، وہ اس پر ہر وقت جان نثار کرنے پر تلا رہتا ہے.... اس کے جسم پر ایک خراش بھی آ جائے، وہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"بہت خوب! اس سے مل کر خوشی ہوئی...." انہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہم محمود کو سمندر میں پھینک رہے ہیں۔" جیتال نے گویا اعلان کیا۔

"کیا تم اسے کشتی میں بٹھا کر ہماری طرف روانہ نہیں کر سکتے۔"

"نہیں! اس طرح وقت ضائع ہو گا اور ہمارے پاس پہلے ہی وقت بہت کم ہے.... ہم جلد از جلد اپنے ملک کی سمندری حدود میں پہنچ جانا چاہتے ہیں.... تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ وہاں اس وقت ہمارے جنگی جہاز تیار کھڑے ہیں، لہٰذا اس جہاز پر حملے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں..... وہ جہاز فوراً اس کی مدد کو آ جائیں گے اور ہو سکتا ہے، اس طرح دونوں ملکوں میں باقاعدہ جنگ چھڑ جائے، ہمارا ملک اس جنگ کے لیے پہلے سے تیار ہے، جبکہ تم لوگوں کی بحریہ خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی ہو گی۔" جیتال کہتا چلا گیا۔

"میرا ایسا کوئی پروگرام نہیں، میں اپنے ملک کے تین مجرموں کے لیے پوری قوم کو پریشانی میں نہیں ڈال سکتا، زندگی رہی تو پھر تم سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"بے فکر رہو، حالات کہہ رہے ہیں، بہت جلد ملاقات ہو گی۔" جیتال ہنسا۔

اس وقت انہوں نے ڈیک پر محمود کو دیکھا۔ وہ انہیں دیکھ کر اداس انداز میں مسکرایا۔ اس کے ساتھ ہی اسے ڈیک پر سے نیچے دھکا دے دیا گیا۔ تقریباً پچیس فٹ کی اونچائی سے وہ پانی میں گرا، پہلے تو وہ نیچے گرتا چلا گیا، پھر ابھرا تو اس نے تیزی سے لانچ کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ ادھر مقبول احمد نے لانچ اس کی طرف بڑھائی، اس طرح چند منٹ بعد محمود ان کے ساتھ کھڑا ہانپ رہا تھا۔

"بس انسپکٹر جمشید! اب لانچ کا رخ موڑ لو، تمہیں مجھ جیسا دشمن کبھی نہیں ملا ہو گا، دیکھ لو، اس وقت تم لوگوں کی زندگیاں میرے ایک اشارے پر ختم ہو سکتی ہیں، لیکن میرا دل گردہ دیکھو کہ تمہیں زندہ سلامت واپس جانے کی اجازت دے رہا ہوں۔"

جیتال کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرانے لگی۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے، زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہے، جب تک اس کی طرف سے بلاوا نہ آ جائے، تم ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شاید تم مذاق سمجھ رہے ہو، محمود سے پوچھ لو، بلکہ ادھر دیکھو، تمہیں ایک توپ کی جھلک تو کم از کم دکھا ہی دی جائے۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی جہاز کی دیوار میں سے ایک توپ کا دہانہ جھانکنے لگا:

"ذرا سوچو، اس کا ایک گولہ تمہاری لانچ کے پرخچے نہیں اڑا دے گا؟"

"ضرور اڑا دے گا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لانچ کے ساتھ ہمارے بھی پرخچے اڑ جائیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بہت ضدی اور دلیر ہو... خیر پھر کبھی سہی - لانچ واپس لے جاؤ۔" جیتال نے بلند آواز میں کہا۔

"چلو بھئی، لانچ موڑ لو۔" انسپکٹر جمشید مقبول احمد سے بولے۔

تھوڑی دیر بعد جہاز اور لانچ مخالف سمتوں میں جا رہے تھے، محمود انہیں تعاقب کی کہانی سنا رہا تھا - اس کی کہانی ان کے اندازوں سے ذرا مختلف نہیں تھی... اور پھر جہاز ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا:

"مسٹر مقبول رک جاؤ۔"

"جی... کیا مطلب؟" مقبول چونکا۔

"کیا تم ملک اور قوم کے لیے کچھ کرنا پسند کرو گے؟"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" مقبول احمد نے حیران ہو کر کہا۔

"چکر کاٹ کر اس جہاز سے آگے جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن اس طرح تو ہم دشمن کی سمندری حدود کے بہت نزدیک ہو جائیں گے، کیونکہ سمندری حدود یہاں سے صرف تقریباً پون گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔" اس نے کہا۔

"جہاز کی رفتار کے مطابق پون گھنٹے کا فاصلہ ہو گا، آپ کی لانچ کی رفتار تو بہت زیادہ ہے۔"

"پھر بھی... اس طرح ہم بہت بڑا خطرہ مول لیں گے، ہماری لانچ اس جہاز اور جنگی جہازوں کے درمیان میں آ جائے گی۔" مقبول احمد فکر مند ہو کر بولا۔

"ہاں! لیکن یہ تھوڑی دیر کے لیے ہو گا، جونہی جہاز کی جھلک نظر آئی، ہم آپ کو واپس چلنے کے لیے کہہ دیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن اس سے کیا فائدہ ہو گا ابا جان... آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں۔"

"یہ بعد میں بتاؤں گا... ہاں تو مسٹر مقبول کیا آپ تیار ہیں؟"

"آپ کی جگہ اس وقت کوئی اور ہوتا تو میں ضرور انکار کر دیتا، لیکن اس وقت مجھ سے انکار ہو ہی نہیں رہا... چلیے میں تیار ہوں۔"

لانچ نیم دائرے کی صورت میں مڑنے لگی.....
محمود، فاروق اور فرزانہ اپنے والد کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے.... وہ کچھ کچھ اندازہ لگا چکے تھے کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ اسی وقت انہوں نے ان کی آواز سنی:

"ہاں بھئی محمود.... جہاز کے اندر کے حالات سناؤ... وہاں کتنے لوگ ہیں..... کتنا اسلحہ ہے اور کیا کچھ ہے۔"

محمود انہیں بتانے لگا، اسے جہاز پر آزادانہ گھومنے کی اجازت دے دی گئی تھی، کیونکہ جہاز سے فرار ہو کر وہ سمندر میں چھلانگ تو لگا نہیں سکتا تھا... اس کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ مقبول احمد کی آواز انہوں نے سنی:

"لیجیے جناب.... میں اپنے اندازے کے مطابق عین درمیان میں پہنچ چکا ہوں اور چند لمحوں میں جہاز ہمیں دکھائی دے جائے گا۔"

اس کے الفاظ ختم ہونے کے صرف دس سیکنڈ بعد جہاز کا اوپر والا حصہ انہیں نظر آنے لگا، اس کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید بولے:

"مسٹر مقبول: آپ کا بہت بہت شکریہ.... آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اب آپ واپس جائیے اور بحری فوج

کے کسی بھی افسر کو میرا یہ پیغام دے دیجیے گا....."

"کیا مطلب؟" مقبول احمد چونکا۔

"مطلب یہ کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے۔"

"تو پھر.... آپ.... آپ....." مقبول احمد ہکلانے لگا۔

"ہاں! ہم آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے.... یہ کاغذ سنبھال لیجیے۔"

انہوں نے کاغذ اس کے ہاتھ میں دے دیا، حیرت زدہ انداز اور پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ اس نے کاغذ لے لیا، اس دوران محمود، فاروق اور فرزانہ لانچ کے کنارے تیار کھڑے ہو چکے تھے۔

"آؤ بھئی.... بسم اللہ کرو۔" انسپکٹر جمشید کہا اور پانی میں کود گئے۔

ان کے پیچھے محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی چھلانگیں لگا دیں.... مقبول احمد نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان کی طرف دیکھا اور پھر لانچ کا رخ واپس موڑ لیا....

عین اسی وقت سورج غروب ہو گیا، اندھیرا

تیزی سے پھیلنے لگا..... سمندر میں تو یوں بھی اندھیرا بہت گہرا ہوتا ہے۔ اس اندھیرے میں چار سائے جہاز کی طرف تیرنے لگے..... دور سے اگر وہ کسی کو نظر بھی آتے تو وہ یہی خیال کرتا کہ چار مچھلیاں ایک ساتھ تیر رہی ہیں۔

آنکھوں والے پستول

جس وقت وہ جہاز کے نزدیک پہنچے، گہری تاریکی پھیل چکی تھی۔ سمندر بالکل پرسکون تھا، آسمان ابر آلود تھا، اس لیے انہیں کسی نے بھی نہیں دیکھا۔

"میرے پیچھے پیچھے آؤ۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی اور آواز پیدا کیے بغیر جہاز کی سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ گویا ایک لائن میں ان کے پیچھے آ رہے تھے۔ سیڑھی تلاش کرنے میں انہیں تقریباً دس منٹ لگے، کیونکہ پہلے ادھر سے ادھر تک جہاز کے ساتھ تیر کر گئے، وہ بھی اس طرح کہ جہاز بھی آگے بڑھ رہا تھا اور وہ بھی، ساتھ ساتھ ان کا رُخ دائیں اور بائیں ہوتا رہا.... آخر سیڑھی تک پہنچ گئے... اب اوپر پہنچنا آسان تھا۔ چاروں ڈیک پر پہنچتے ہی لیٹ گئے اور سانس لینے لگے۔ اس وقت ڈیک پر کوئی بھی نہیں تھا، ہر طرف تاریکی تھی، بس انجن روم کے شیشوں میں سے ہلکی سی روشنی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ ڈیک پر ایک طرف انہیں

ایک دروازہ نظر آیا.... محمود نے بتایا کہ وہ دروازہ نیچے کیبنوں
میں جاتا ہے.... جیتال اور دوسرے لوگ ان کیبنوں میں ملیں
گے۔

"سنو! ہمیں ان لوگوں سے فی الحال کوئی غرض نہیں، بہتر ہے
کہ وہ اپنے کیبنوں میں سوتے رہیں.... ہمیں تو دراصل انجن
روم اور کپتان کو اپنے قبضے میں لینا ہے، لیکن انہیں قبضے میں
لینے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ سمت بتانے والی سوئی
کس ہندسے پر ہے، تاکہ اگر کپتان چال چلنے کی کوشش کرے
تو ہمیں معلوم ہو جائے، ظاہر ہے، اس وقت سوئی جس ہندسے
پر ہے، جہاز کا رُخ تبدیل ہونے پر اس کے بالکل برعکس
ہو گی، لیکن اگر اس نے چال چلنے کی کوشش کی اور جہاز....
.... کو اسی سمت پر لانے کی کوشش کی تو سوئی کے مقام
سے ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ اب آؤ میرے ساتھ، ہمارے
کپڑے بھی گیلے ہیں، کہیں ہمیں نمونیہ نہ ہو جائے.... کپڑوں
کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست کرنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر وہ انجن روم کی طرف کھسکنے لگے۔ عین اسی
وقت انہوں نے آہٹ سنی اور پھر وہ چونک اٹھے۔ ایک
پہرے دار اچانک ہی ان کے سامنے آ گیا تھا، نہ جانے
وہ کہاں دبکا ہوا تھا:

"کون ہو تم لوگ؟" اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"اس جہاز کے جن۔" فاروق منمنایا۔

"بکو مت.... ہاتھ اوپر اٹھا دو، منہ دوسری طرف کر لو
اور میرے آگے آگے چلو.... میں تمہیں مسٹر ڈونکل کے سامنے
لے جاؤں گا۔"

"مسٹر ڈونکل.... یہ کیا نام ہوا.... کیا انہیں کوئی اچھا سا
نام نہیں ملا۔" فاروق نے دبے لہجے میں کہا۔

"بکو مت.... تم نے سنا نہیں، ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

انہوں نے پہرے دار کے ہاتھ میں پستول دیکھ لیا
تھا، یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پستول شعاعی ہو، اندھیرے
کی وجہ سے اسے صاف طور پر تو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ آخر
انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاتھ اٹھا لو بھئی..... اور تم لوگ میرے آگے چلو...."
انسپکٹر جمشید بولے۔

"جس طرح مرضی چلو.... آگے پیچھے سے کوئی فرق نہیں پڑ
جائے گا..... میرے ہاتھ میں جو پستول ہے..... اس کا
ایک فائر ہی چاروں کے لیے کافی ہے۔"

انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ
انسپکٹر جمشید کے آگے چلنے لگے.... لیکن اچانک فاروق لڑکھڑا

گیا .... وہ اوندھے منہ گرا .... اس کے پیچھے فرزانہ تھی، وہ اس کے اوپر گری .... انسپکٹر جمشید ارے ارے کرتے انہیں اٹھانے کے لیے جھکے اور اس طرح جھکے کر ان کی کہنیاں ایک ساتھ پیچھے آنے والے پہرے دار کی پسلیوں میں لگیں، وہ درد کے مارے دہرا ہو گیا، ساتھ ہی اس کا پستول والا ہاتھ ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ انہوں نے اس کی کمر پر بائیں ہاتھ کی ہڈی اس زور سے ماری کہ وہ دھپ سے اوندھے منہ گیا۔ اس کا اب پستول ان کے ہاتھ میں تھا۔

"اس کے کپڑے اتار لو .... تاکہ ہم میں سے ایک کے کام آ سکیں۔" انسپکٹر جمشید بولے:

"اس کے کپڑے تو صرف آپ کے ہی کام آ سکتے ہیں ابا جان۔" فرزانہ بولی۔

"جہاز پر بچے سوار نہیں ہیں، اس لیے تمہیں بھی بڑوں کے کپڑے پہننے پڑیں گے ....۔" انہوں نے کہا۔ وہ یہ باتیں آہستہ آواز میں کر رہے تھے۔ رسی تلاش کرنے میں وقت ضائع ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے انسپکٹر جمشید نے نیچے جھک کر پہرے دار کی کنپٹیاں زور سے مسل دیں، یہ ان کا ایک خاص طریقہ تھا۔ اور ان کے اندازے کے مطابق اب پہرے دار تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔"

"جونہی کہیں رسی نظر آئی، ہم اسے باندھ دیں گے۔"

انہوں نے اس کے کپڑے اتارے اور ڈیک کے ایک پوشیدہ سے گوشے میں ڈال دیا۔

"ابا جان! یہ کپڑے آپ ہی پہن لیں۔"

"نہیں! مجھ سے زیادہ ان کی ضرورت تمہیں ہے .... فرزانہ تم سب سے چھوٹی ہو، اس لیے یہ تم پہن لو۔"

"میں سب سے چھوٹی ضرور ہوں، لیکن سب سے کمزور تو نہیں ہوں۔"

"طاقت در صاحبہ .... ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت بالکل نہیں ہے .... جہاز دشمن ملک کی حدود میں داخل ہو گیا تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

آخر فرزانہ کو وہ کپڑے پہننے ہی پڑے۔ ایک بار پھر وہ انجن روم کی طرف چلے، دروازہ کھلا تھا .... اور اندر سے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی، شاید کپتان اپنے نائب سے باتیں کر رہا تھا۔

"بھئی صرف آدھ گھنٹے بعد ہم مسٹر جیتال کے ملک کی حدود میں داخل ہو جائیں گے اور اس کے بعد ہماری یہ ڈیوٹی ختم سمجھو۔" انہوں نے ایک کو کہتے سنا۔

"میں تو اس کے بعد دو ماہ کی چھٹی لے رہا ہوں .... کہتے

مہینے ہو گئے پانی میں رہتے ہوئے.... گھر کی صورت دیکھنے کو بھی ترس گیا ہوں۔"

"ہاں! ہماری زندگی بھی عجیب زندگی ہے۔"

اسی وقت انہوں نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا، کیونکہ اندر داخل ہوتے وقت انسپکٹر جمشید نے قدموں کی آواز پیدا کی تھی۔

"تت.... تت..... تم کون ہو۔" کپتان ہکلایا۔ اس کے نائب پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھے۔ وہ اکرم درانی عرف ڈونکل تھا۔ چھٹی لینے کی بات کپتان کر رہا تھا۔

"تمہارا ساتھی ہمیں جانتا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ دونوں کی نظریں ان کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول پر جم چکی تھیں۔ ڈونکل کی آنکھوں میں حیرت کا ایک سمندر موجیں مارنے لگا۔

"کالا ڈاکو.... یعنی انسپکٹر جمشید.... یہ تم ہو۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! تمہاری نظر کمزور نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اسے خوش خبری سنائی۔

"یہ.... یہ تو وہی لڑکا ہے.... جسے نیچے پھینکا گیا تھا۔" کپتان ہکلایا۔

"ہاں! یہ وہی لوگ ہیں.... لیکن اب یہ یہاں سے بچ کر

نہیں جا سکتے.... میں مسٹر جیتال کو خبر کرتا ہوں۔"

"خبردار.... کیا تم میرے ہاتھ میں پستول نہیں دیکھ رہے۔"

"ہاں! دیکھ رہا ہوں، بے وقوف انسپکٹر..... یہ پستول ان لوگوں کو کچھ نہیں کہتے جن کے یہ ہوں۔" ڈونکل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بھئی واہ! تب تو یہ آنکھوں والے پستول ہوئے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

ڈونکل اٹھ کر ان کی طرف بڑھنے لگا۔ انسپکٹر جمشید کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی، لیکن اس نے کوئی پروا نہ کی اور بدستور آگے بڑھتا چلا آیا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے ٹریگر دبا دیا.... پستول میں سے باریک شعاع نکلی اور ڈونکل کے سینے سے ٹکرائی، لیکن یوں لگا جیسے وہ پانی کی چادر سے ٹکرا کر بجھ گئی ہو، اس کے ساتھ ہی ڈونکل نے انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگائی، یہ دیکھ کر کپتان بھی اٹھا:

"محمود.... فاروق سنبھالو اسے۔" انسپکٹر جمشید بولے اور جھکائی دے کر ڈونکل کا وار بچا گئے۔ ڈونکل جھونک میں کمرے کی دیوار کی طرف چلا، لیکن ہاتھ آگے بڑھا کر اس نے خود کو ٹکرانے سے بچا لیا، مڑا اور دانت پیستے ہوئے پھر ان پر چھلانگ لگائی۔ لیکن اس کے چھلانگ لگانے سے پہلے فرزانہ اس

کی ٹانگوں میں ٹانگ اڑا چکی تھی، لہذا وہ دھڑام سے گرا۔

ادھر محمود اور فاروق مختلف سمتوں سے کپتان پر حملہ آور ہوئے، لیکن شاید وہ اس لائن کا آدمی نہیں تھا۔ اس نے بے تکے انداز میں ادھر ادھر ہاتھ پاؤں ہلائے، اس کا کوئی ہاتھ ان کے نہیں لگ سکا جب کہ اس دوران محمود کا ایک مکا اور فاروق کی ایک لات اسے وصول کرنی پڑ گئی، تاہم ڈیل ڈول اس کا ہاتھی جیسا تھا۔ ان مکوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا..... یہ دیکھ کر فاروق بھنا گیا اور اس نے پیچھے ہٹ کر دوڑ کر آتے ہوئے سر کی ایک ٹکر اس کی کمر پر رسید کی۔ یہ ٹکر زور دار تھی، اس ہاتھی کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ اندھوں کی طرح ہاتھ آگے پھیلائے گرنے کو ہوا۔ یہ دیکھ کر محمود تیزی سے آگے بڑھا، اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے کی طرف جھٹکا دینا چاہا، لیکن ہوا یہ کہ جھلائے ہوئے ہاتھی نے خود محمود کا ہاتھ قابو کر لیا اور اسے کھینچ کر دیوار پر دے مارا، وہ تو انسپکٹر جمشید اس کے راستے میں آ گئے اور وہ دیوار سے ٹکرانے سے بچ گیا، ورنہ ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔

ادھر فرزانہ ڈونکل کی کمر پر اچھل کود رہی تھی۔ اوندھے منہ گرتے ہی وہ اس کی کمر پر سوار ہو گئی تھی:

"ابا جان! آپ اس ہاتھی کے نیچے سے ہٹیں، اس سے میں

سمجھ لوں گی۔"

"اچھا!" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید کپتان کی طرف بڑھے، ساتھ ہی انہوں نے فرزانہ کی چیخ سنی:

"کیا ہوا؟" انہوں نے مڑتے ہوئے کہا۔

ڈونکل نے کروٹ لی تھی اور فرزانہ الٹ گئی تھی، نہ صرف یہ بلکہ ڈونکل اسے چھاپ بھی بیٹھا تھا، ساتھ ہی اس نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوتے اس کے گلے کو دبوچ لیا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

"بس کرو انسپکٹر..... ہاتھ اٹھا کر دیوار سے لگ جاؤ..... ورنہ میں تمہاری بیٹی کا گلا گھونٹ دوں گا۔"

اس کے الفاظ ختم نہیں ہوئے تھے کہ کوئی چیز زور سے اس کے سر پر لگی..... انہوں نے دیکھا، فاروق نے صفائی کرنے والا برش اس کے سر پر دے مارا تھا، فوراً ہی انہوں نے اس کے سر سے خون نکلتے دیکھا اور وہ آواز نکالے بغیر بے ہوش ہو گیا۔ اب وہ کپتان کی طرف متوجہ ہوئے، کپتان ان چاروں کو اپنے ارد گرد دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔

"فاروق! اس کے سر پر صفائی کرنے والا برش ذرا ہلکے انداز میں مارو، تاکہ اسے کیبن کے اندر بھی چند تارے نظر آ جائیں۔"

"نہیں نہیں.... مجھے نہ مارو" اس نے ایک ننھے بچے کی طرح روتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے ہماری ہدایات پر لفظ بہ لفظ عمل کیا تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، بلکہ تمہیں تمہارے گھر جانے کی بھی اجازت دے دی جائے گی" انسپکٹر جمشید نے اسے لالچ دلایا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں! بالکل سچ، کیونکہ تم بے قصور ہو۔"

"بہت اچھا! بتاؤ، تم کیا چاہتے ہو؟"

"جہاز کا رخ اسی سمت میں موڑ دو، جس طرف سے آئے ہو۔"

"لیکن.... لیکن.... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیوں.... ہو کیوں نہیں سکتا، یہ کیا مشکل ہے۔"

"مسٹر جیتاں مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"وہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکے گا، اسے تو میں دوبارہ جیل کی سیر کراؤں گا۔"

"نہیں.... میں یہ نہیں کر سکتا۔"

"تمہاری مرضی.... اس صورت میں یہ صفائی کرنے والا یہ برش تمہارے سر پر اس وقت تک برستا رہے گا جب تک

کر تمہارا بھیجہ نہ نکل جائے۔ اس صورت میں تم اپنے گھر کبھی نہ جا سکو گے، کیونکہ نکلے ہوئے بھیجے والے سر کو تمہارے بیوی بچے بالکل پسند نہیں کریں گے" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"ن.... نہیں.... نہیں.... وہ خوف زدہ انداز میں ہکلایا۔

"تو پھر موڑ لو.... جہاز کا رخ"

"اچھ.... چھا...." اس نے کہا اور سٹیرنگ گھمانے لگا۔ سمت بتانے والے آلے کی سوئی کو وہ پہلے ہی بغور دیکھ چکے تھے۔ اب سوئی آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔ پندرہ منٹ بعد سوئی بالکل مخالف سمت میں آ گئی۔

"اب جہاز تمہارے ملک کی طرف جا رہا ہے۔"

"بہت خوب! میں تم سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا کروں گا.... یعنی تم اپنے گھر ضرور جاؤ گے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن کیا فائدہ.... مجھے گھر پہنچتے ہی گرفتار کر لیا جائے گا" اس نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔

"خیر.... اس کا حل بھی سوچ لیا جائے گا.... تم فکر نہ کرو۔"

"دیکھا جائے گا" اس نے کہا۔

عین اسی وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی اور وہ چونک اٹھے۔

"جلدی سے کیبن کی دروازے کے ساتھ والی دیواروں سے لگ جاؤ اور مسٹر کپتان تم سیٹرنگ پہ جمے رہو، ہم آنے والے کو دیکھ لیں گے" انسپکٹر جمشید نے انہیں ہدایات دیں۔

"اچھا!" کپتان نے کہا۔ اسی وقت باہر سے کسی نے کہا۔

"کپتان صاحب .... یہ ڈرمی کا بچہ یہاں تو نہیں گھسا ہوا، اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں، ہر آدھ گھنٹے بعد ہمیں ایک دوسرے سے ملنا ہوتا ہے"

"نہیں! ڈرمی ادھر نہیں آیا" کپتان نے کہا

"اوہ .... حیرت ہے، وہ کہاں چلا گیا" عین دروازے پر سے آواز آئی .... شاید دوسرا پہرے دار دروازے پر کھڑے ہو کر اندر کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ڈیک پر کہیں لیٹ کر سو نہ گیا ہو" کپتان نے خیال ظاہر کیا۔

"اگر ایسا ہوا تو مسٹر جیتال اسے سخت سزا دیں گے .... ان کی ہدایت ہے، پوری طرح چوکنا رہتے ہوئے پہرا دینا ہے"

"تب تو اسے جلد تلاش کرو، کہیں مسٹر جیتال تم پر بھی نہ

بگڑیں" کپتان نے قدرے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! میں جاتا ہوں اور اگر وہ نہ ملا تو مسٹر جیتال کو خبر کرنا ہو گی" پہرے دار نے کہا اور انہوں نے اس کے مڑنے کی آواز سنی۔ وہ تھوڑی دیر تک اور دیوار سے لگے رہے۔ پھر انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی:

"تم تینوں یہیں ٹھہرو، میں اس کا بندوبست کر کے آتا ہوں ...."

"جی بہتر" محمود نے کہا اور انسپکٹر جمشید انجن روم سے نکل آئے۔ انہوں نے کچھ فاصلے پہ ایک سائے کو تیز تیز جاتے دیکھا۔ وہ بھی دبے پاؤں اس کی طرف بڑھنے لگے۔ کئی جگہ انہیں جھک کر بھی چلنا پڑا .... آخر وہ عین اس کے پیچھے پہنچ گئے۔ اسی وقت ان کا پاؤں ڈیک پر پڑی کسی چیز سے ٹکرایا:

"کون ڈرمی؟" پہرے دار چونک کر مڑا اور پھر اس کی نظریں انسپکٹر جمشید پہ جم گئیں .... اندھیرے میں بھی وہ ایک دوسرے کے نقوش دیکھنے کے قابل تھے:

"تت .... تم .... تم ڈرمی تو نہیں ہو .... کون ہو تم"

"ہاں! میں ڈرمی نہیں ہوں .... ڈرمی تو ادھر پڑا ہے، وہ رہا" انہوں نے اس کی کمر کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا۔ اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا، ساتھ ہی اس کے سر پہ گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ انسپکٹر جمشید کا مکا بھر پور تھا.... اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی اور پھر وہ لمبا لیٹ گیا۔ انھوں نے جلدی جلدی اس کے بھی کپڑے اتارے اور پھر اسے کندھے پہ اٹھا کر انجن روم میں لے آئے، پھر باہر نکلے اور ڈرمی کو بھی اٹھا لائے۔ انجن روم کی ایک دیوار سے رسی کا بڑا سا گچھا لٹک رہا تھا، انھوں نے اس کی مدد سے دونوں کو باندھ دیا۔ دوسرے پہرے دار کا لباس فاروق کے کام آیا، لیکن ابھی انہیں دو اور جوڑوں کی ضرورت تھی، گیلے کپڑے انہیں کم از کم زکام میں تو ضرور مبتلا کر سکتے تھے۔

"اپنے لیے اور محمود کے لیے مجھے دو جوڑوں کا انتظام تو کرنا ہی ہو گا۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے دوسرے پہرے دار کا پستول محمود کے حوالے کیا اور کپتان سے بولے:

"کپتان صاحب! کیا آپ بتا سکتے ہیں، کپڑے جہاز کے کس حصے میں مل سکتے ہیں؟"

اس کے لیے آپ کو نیچے جانا پڑے گا اور نیچے جانا بہت خطرناک ہے، اس سے بہتر تو یہ ہو گا کہ آپ زکام مول

لے لیں.... نیچے جانے کا خطرہ مول نہ لیں۔" کپتان نے مشورہ دیا۔ انسپکٹر جمشید چند لمحے سوچتے رہے، پھر بولے:

"نہیں! مجھے نیچے جانا ہی ہو گا..... میں خود کو ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنا چاہتا ہوں..... نیچے جانے کا ایک فائدہ یہ ہو گا کہ مجھے جہاز کے نچلے حصے سے تھوڑی بہت واقفیت ہو جائے گی۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" کپتان بولا۔

"تم تینوں بالکل چوکس رہنا.... سوئی پر نظر رہے، کپتان صاحب اسے تبدیل نہ کرنے پائیں۔"

"آپ فکر نہ کریں ابا جان۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

"اور انجن روم کا دروازہ بھی اندر سے بند کر لو، تم صرف میری آواز پہ دروازہ کھولو گے۔"

"بہت بہتر!"

"اچھا خدا حافظ۔" انھوں نے کہا اور باہر نکل گئے۔

"خدا حافظ۔" تینوں کے منہ سے نکلا، پھر محمود اٹھا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

اس کے ساتھ ہی انھوں نے سوئی کو حرکت کرتے دیکھا، وہ چونک اٹھے اور تیزی سے کپتان کی طرف بڑھے۔

ناکامی کا منہ

انسپکٹر جمشید نے ڈیک پر نظر آنے والے دروازے پر پہنچ کر اس پہ ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھل گیا اور انہیں سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں۔ نیچے انہیں مدھم سی روشنی بھی نظر آئی۔ آہٹ پیدا کیے بغیر وہ سیڑھیاں اترنے لگے۔ عین اسی وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی، پھر کوئی تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ دھک سے رہ گئے، سیڑھیوں پہ چھپنے کی جگہ بھلا کہاں، ایک لمحے کے لیے انہوں نے واپس اوپر جا کے دشمن سے ڈیک پر مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچا، لیکن اب اس کا بھی وقت گزر چکا تھا، کیونکہ اتنی دیر میں نیچے سے آنے والا سیڑھیوں کے درمیان میں آ چکا تھا، اور اس کی نظر ان پہ پڑ چکی تھی۔

"ڈری! یہ تم ہو..... نہیں..... تم ڈری نہیں ہو.....، تو پھر.....؟" یہ کہہ کر وہ تیزی سے ان کے نزدیک آ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"تت..... تم..... تم تو وہی ہو..... جسے ہم نے لانچ میں دیکھا تھا..... مم..... مگر تم یہاں کس طرح پہنچ گئے؟"

"لانچ کے ذریعے۔" انسپکٹر جمشید بولے:

"مسٹر جیتال کا خیال کس قدر درست تھا۔ وہ پہرے داروں سے کہہ رہے تھے کہ پوری طرح چوکس رہنا ہے، جب کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ کسی احتیاط کی ضرورت نہیں..... اوہ مجھے جا کر مسٹر جیتال کو بتا دینا چاہیے۔" یہ کہتے ہی وہ مڑا، لیکن بجلی کی سی تیزی سے آگے کو جھکتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے اس کی گدی دبوچ لی اور کچھ اس طاقت سے دبوچی کہ وہ نیچے اترنے کے لیے زور بھی نہ لگا سکا..... انہوں نے اسے پیچھے کھینچ لیا اور پھر دونوں ہاتھوں میں اس کی گردن دبوچ لی..... اس نے خوب ہی ہاتھ پاؤں مارے، لیکن گردن نہ چھڑا سکا۔ اس خوف کے پیش نظر کہ کہیں اس کے پاؤں سیڑھیوں سے ٹکرا کر آواز نہ پیدا کر دیں اور کچھ اور لوگ سیڑھیوں پہ نہ آ جائیں، انہوں نے اسے دونوں بازوؤں کے بل پہ اوپر اٹھا لیا، اب وہ ایک مچھلی کی طرح ان کے ہاتھوں میں لٹک رہا تھا، اس کا جسم پھڑک رہا تھا، آخر اس کے جسم کی پھڑکن ختم ہو گئی..... انہوں نے اسے کندھے پہ ڈالا اور واپس ڈیک پہ آ گئے..... دروازہ بند کیا اور انجن روم

کی طرف چل پڑے.... دروازے پر پہنچے تو اندر سے دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دیں۔

"محمود! یہ اندر کیا ہو رہا ہے" انہوں نے کہا۔

"اندر کشتی ہو رہی ہے ابّا جان!" محمود کی ہانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب.... کیا تم تینوں آپس میں جھگڑ پڑے ہو" انہوں نے ناخوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"جی نہیں.... کپتان صاحب نے آپ کے جاتے ہی گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا تھا۔ انہوں نے جہاز کا رُخ پھر موڑنا شروع کر دیا تھا، لیکن ہم ان کے آڑے آ گئے، اس پر یہ بھنّا اٹھے اور ہم سے گتھم گتھا ہو گئے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہم تینوں نے مل کر انہیں نیچے گرایا ہوا ہے اور یہ اٹھنے کے لیے زور لگا رہے ہیں....."

"کیا تم اس قابل بھی نہیں ہو کہ دروازے کھول سکو" انہوں نے یہ پوچھا۔

"جونہی ہم میں سے ایک ان پر سے ہٹا، یہ باقی دو کو الٹ دیں گے" محمود نے کہا "ہم تینوں کے لیے انہیں قابو میں رکھنا انتہائی مشکل ہو رہا ہے"

"دھت تیرے کی" انسپکٹر جمشید جھلّا کر بولے "جلدی اس

کھیل کو ختم کرو"

"لیکن ابا جان.... اگر ہم نے صفائی والا برش استعمال کیا تو یہ صاحب بے ہوش ہو جائیں گے، پھر جہاز کی سمت کون تبدیل کرے گا"

"میں کر لوں گا، تم فکر نہ کرو، میں نے اسے سمت تبدیل کرتے بغور دیکھا تھا" انہوں نے کہا۔

"ارے.... تو یہ بات آپ نے پہلے کیوں نہ بتائی، ہم تو کب کا برش استعمال کر چکے ہوتے" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ٹھہرو محمود.... برش استعمال نہ کرنا.... تم بے وقوف ہو" انسپکٹر جمشید اچانک کہا۔

"جی کیا مطلب.... کیا برش استعمال کرنے کے لیے خاص عقل کی ضرورت ہے"

"نہیں! تم اپنا چاقو کیوں نہیں نکال لیتے.... اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی، میرا مطلب ہے...." انسپکٹر جمشید آگے کچھ نہ کہہ سکے۔ فاروق کی حیرت بھری آواز نے ان کی بات کاٹ دی تھی:

"ہائیں ابّا جان.... تو کیا اس جہاز پر سانپ بھی ہیں...."

"بکو مت.... کام کرو..... میں اس وقت کندھے پر بوجھ لیے کھڑا ہوں"

"ابھی لیجیے ابّا جان۔" محمود کی آواز سنائی دی، پھر چند سکینڈ بعد وہ بولا:

"مسٹر کپتان.... اب اپنا رنگ پھر سے تبدیل کر لیجیے کیونکہ یہ جو چیز آپ کے پہلو میں چبھ رہی ہے، شعاعی پستول کی نالی نہیں، ایک چاقو کی نوک ہے، ایسے چاقو کی جو ہڈیوں کو بھی موم کی طرح کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔"

فوراً بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے کپتان کے چہرے پہ ہوائیاں اڑتے دیکھیں۔

"مسٹر کپتان.... میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ اپنے گھر ضرور جائیں گے، اپنے بیوی بچوں سے ضرور ملیں گے، لیکن آپ نے ہم سے غداری کی، لہٰذا اب میں بھی اپنے وعدے کا پابند نہیں رہا..... اب آپ کا حشر بھی دوسروں جیسا ہوگا۔"

"ن.... ن.... نہیں.... میرا دماغ چل گیا تھا۔"

"خیر..... فی الحال تو آپ جہاز کو چلائیے.... اور اب سوئی ذرا بھی غلط سمت میں نہ مڑے.... محمود تم بدستور ان کے پہلو سے چاقو کی نوک لگائے رکھو گے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اپنے چوتھے شکار کو نیچے ڈال دیا۔ اس کے بھی کپڑے اتارے گئے۔ انہیں محمود نے پہنا:

"اور اب رہ گیا میں.... مجھے نیچے جانا ہی ہوگا۔"

"تو کیا آپ ابھی نیچے نہیں جا سکے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں، سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ یہ حضرت نیچے سے اوپر آ گئے، لہٰذا راستے سے ہی واپس آنا پڑا۔" انہوں نے بتایا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور اب نیچے جانا اور ضروری ہو گیا ہے، کیونکہ یہ شخص جب نیچے نہیں پہنچے گا تو جیتال اور اس کے ساتھیوں کو ضرور الجھن ہو گی.... اور وہ کسی نہ کسی کو اوپر بھیجیں گے۔"

"اوہ.... لیکن ایسا تو آپ کے جانے کے بعد بھی ہو سکتا ہے.... ظاہر ہے، آپ ان سے یہ تو کہہ کر نہیں آئیں گے کہ ان کا آدمی بخیریت ہمارے پاس ہے، لہٰذا وہ فکر نہ کریں۔" فاروق بولا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو.... لیکن ہمیں کسی نہ کسی طرح دو گھنٹے پورے کرنے ہیں.... دو گھنٹے تک ان حالات کا مقابلہ کرنا ہے، مصیبت یہ ہے کہ ان کے شعاعی پستول ان پر اثر نہیں کرتے۔"

"لیکن ابّا جان، یہ ضروری تو نہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے بلٹ پروف پہن رکھے ہوں.... اس طرح ہمارا پستول تو کام کر سکتا ہے نا۔" محمود نے کہا۔

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے.... خیر.... ضرورت پڑی تو

میں اپنا پستول کام میں لاؤں گا..... ایک بار پھر خدا حافظ۔"
"خدا حافظ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

○

محمود کی اطلاع کے مطابق جہاز میں تقریباً تیس آدمی موجود تھے۔ گویا ابھی تقریباً پچیس دشمن صحیح سلامت موجود تھے اور انہیں کسی وقت بھی یہ خبر ہو سکتی تھی کہ جہاز اپنی سمت تبدیل کر چکا ہے اور اب وہ واپس اسی سمت میں جا رہا ہے جس طرف سے کر آیا تھا..... نیچے سے اوپر آنے والا شکار نہ جانے کس کام کے لیے اوپر آ رہا تھا، اس کے واپس نہ پہنچنے کی صورت میں ان کے لیے کوئی خطرہ تو نہیں تھا۔ ان باتوں کا جائزہ نیچے جا کر ہی لیا جا سکتا تھا؛ چنانچہ ایک بار پھر انہوں نے دروازہ کھولا اور سیڑھیاں اترنے لگے۔ یہاں تک کہ نیچے پہنچ گئے۔ یہ ایک ہال سا تھا جس میں میزیں اور کرسیاں کسی ہوٹل کی طرز پر بچھی تھیں۔ ایک طرف ایک کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ شاید یہاں جہاز کا عملہ کھانا وغیرہ پکاتا تھا، ہال کے آخر میں ایک تنگ سی گلی تھی، اس گلی کے دونوں طرف کیبن بنے ہوئے تھے۔ کیبنوں کی ایک قطار ہال کے دوسری طرف بھی تھی۔ اس وقت ہال میں کوئی نہیں تھا، ایسا معلوم ہوتا

تھا کہ سب لوگ سو رہے ہیں، لیکن پھر بغور سننے پر انہیں دو ایک کیبنوں سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے گئیں۔ وہ دبے پاؤں آوازوں والے کیبنوں کی طرف بڑھنے لگے..... آخر ایک کیبن سے کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔

"اب صرف، آدھ گھنٹے بعد ہم اپنی حدود میں ہوں گے۔ خطرہ ٹل چکا ہو گا، میرا خیال ہے، اس بار انسپکٹر جمشید سے چوک ہو گئی....." یہ آواز اسابیہ کی تھی۔

"جب کہ میں ایسا نہیں سمجھتا..... میرا خیال ہے کہ وہ کشتی کو لے کر ہرگز واپس نہیں گیا ہو گا..... یہ اور بات ہے کہ اس کی کوئی پیش نہ گئی ہو، اگر وہ گھما پھرا کر لانچ کو دوبارہ جہاز کی طرف لانے کی کوشش بھی کرتا تو بھی اسے دیکھ لیا جاتا..... لہذا وہ جہاز سے دور دور ہی رہنے پر مجبور ہو گا۔" جیتال کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ مسکرانے لگے۔

"ارے! یہ گریگری کہاں رہ گیا..... اسے اوپر خیریت معلوم کرنے بھیجا تھا....." ایک چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بھئی تم تو جانتے ہو..... اس کی اور کپتان کی نوک جھوک چلتی رہتی ہے..... بس شروع ہو گئے ہوں گے دونوں۔" دوسری آواز آئی۔

"تم اس جہاز کو کتنے عرصے سے اس ملک میں تجارت کی غرض سے

لا رہے ہو" یہ سوال اسابیہ نے پوچھا تھا....
"تقریباً دو سال ہو گئے ہیں"
"اور کسی کو آج تک تم پر شک نہیں ہوا؟"
"جی نہیں.... شک ہو بھی کیسے سکتا ہے، مال اس خوبصورتی سے پیک کیا جاتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی" دوسری آواز آئی۔
"اور شاید اسی لیے تمہاری حکومت نے میرے لیے بھی اسی جہاز کو پسند کیا ہو گا" جیتال ہنسا۔
"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے.... میں ذرا گرگیری کو دیکھ آؤں.... کہیں وہ کپتان سے لڑ ہی نہ پڑے، پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا ہے"
یہ الفاظ سنتے ہی انسپکٹر جمشید بلا کی تیزی سے پیچھے کھسکنے لگے۔ اس تیزی کے باوجود انہوں نے ہلکی سی آہٹ بھی نہ پیدا ہونے دی.... یہاں تک کہ سیڑھیاں چڑھتے اوپر ڈیک پر آ گئے اور ایک گوشے میں دبک کر کھڑے ہو گئے۔ جلد ہی ایک سایہ ان کے پاس سے گزر کر انجن روم کی طرف چلا گیا.... پہلے تو انہوں نے چاہا، آگے بڑھ کر اس سے نبٹ لیں، پھر کچھ سوچ کر رک گئے اور اس کے پیچھے چلنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ انجن روم کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دروازے کو دھکیل کر دیکھا، لیکن

دروازہ تو اندر سے بند تھا۔ اب وہ بلند آواز میں پکارا:
"گرگیری.... کیا تم اندر ہو.... باہر نکل آؤ..... ہر وقت کپتان صاحب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اچھی بات نہیں ہے"
انجن روم میں سناٹا طاری ہو گیا اور پھر کپتان کی آواز سنائی دی:
"مسٹر رہوڈا.... گرگیری یہیں ہے.... لیکن میں اور وہ جھگڑ نہیں رہے، خوش گوار ماحول میں باتیں کر رہے ہیں"
"خیر.... یہی سہی.... لیکن اسے خیریت معلوم کرنے کے لیے اوپر بھیجا گیا تھا، اسے واپس جا کر بتانا تو چاہیے تھا"
"یہ تو اس کی واقعی غلطی ہے، خیر.... تم اسے معاف کر دو، دراصل ہمارے درمیان لطیفوں کا مقابلہ ہو رہا ہے، گرگیری تھوڑی دیر تک آ جائے گا.... اگر تم بھی ہنسنے کے موڈ میں ہو تو اندر آ جاؤ"
"مجھے لطیفوں کا کوئی شوق نہیں.... میں جا رہا ہوں.... اب چاہے گرگیری ساری رات تمہارے پاس بیٹھا رہے"
"اچھا مسٹر رہوڈا جیسے تمہاری مرضی"
رہوڈا مڑا اور واپس دروازے کی طرف چلا گیا، یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید مسکرا دیے، محمود، فاروق اور فرزانہ نے کپتان کے ذریعے معاملے کو نہایت خوبصورتی سے کنٹرول کیا تھا اور یہی

دیکھنے کے لیے وہ رک گئے تھے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا اور انہوں نے فاروق اور فرزانہ کی بوکھلائی ہوئی صورتیں دیکھیں۔

"کیوں ..... کیا بات ہے .... تم بہت گھبرائے ہوئے ہو۔"

"اوہ ابا جان ..... یہ آپ ہیں .... خدا کا شکر ہے، ہم تو آپ کے لیے فکر مند ہو گئے تھے اور سوچ رہے تھے .... وہ ..... رہوڈا کس طرف سے نکل آیا۔"

"میں اس کے پیچھے تھا، تم فکر نہ کرو۔"

"اف خدا .... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" انہوں نے کپتان کی کپکپاتی آواز سنی، تینوں جلدی سے اندر داخل ہوئے، محمود چاقو لیے کپتان کے سر پہ چوکس کھڑا تھا، کپتان کی نظر بیرونی منظر دکھانے والے شیشے پہ جمی تھیں .... چہرہ خوف سے دھواں ہو رہا تھا۔

○

رہوڈا کیبن میں داخل ہوا تو جیتپال اور اسابیہ چونک اٹھے۔

"کیا بات ہے، گریگری نہیں ملا۔"

"وہ کپتان کے کیبن میں ہے .... اس سے لطیفے بازی کی ٹھن

گئی ہے۔"

"کیا تم نے اسے یہاں آنے کے لیے نہیں کہا۔" جیتپال بولا۔

"میں نے کپتان سے کہا تھا، گریگری کو باہر بھیج دے، لیکن اس نے کہا کہ گریگری تھوڑی دیر تک آئے گا۔"

"تم نے گریگری سے بات نہیں کی۔"

"نہیں! دراصل میری ہر بات کا جواب کپتان دیتا رہا۔"

"اور گریگری ایک بار بھی نہیں بولا۔"

"نہیں! .... لیکن اس میں پریشان ہونے والی بات کیا ہے۔" رہوڈا نے حیران ہو کر کہا۔

"تم نہیں جانتے .... ہمارے آس پاس انسپکٹر جمشید موجود ہے، ہمیں ہر آن خبردار رہنا چاہیے .... کیا تم نے دونوں پہرے داروں میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔"

"نہیں! میں نے دھیان نہیں دیا، میں تو سیدھا انجن روم کی طرف چلا گیا تھا۔"

"مجھے خود اٹھ کر دیکھنا چاہیے، اسابیہ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی۔"

"کیوں نہیں، اگر تم خطرے کی بو محسوس کر رہے ہو تو میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کس طرح بیٹھی رہ سکتی ہوں۔"

دونوں تیزی سے اٹھے اور باہر نکل آئے۔ دوسرے ہی

لمحے وہ آندھی اور طوفان کی طرح سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔

○

"کیا بات ہے کپتان صاحب؟" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"آپ لوگوں کے ملک کی طرف سے میں کئی جنگی جہازوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہا ہوں، یہ جہاز دائیں بائیں اور سامنے سے آرہے ہیں۔"

"تو اس میں فکر مند ہونے والی کیا بات ہے...؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب... کیا آپ کو ان کی آمد کے بارے میں پہلے سے معلوم تھا۔" کپتان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! یہ میرے ہی پیغام پہ آئے ہیں... ہمیں جتنا وقت گزارنا تھا، گزار چکے۔" انہوں نے جواب میں کہا۔

"گویا میرا جہاز اب پوری طرح پھنس گیا۔" کپتان نے رندھی ہوئی آواز سے کہا۔

"تو کیا تمہیں ان جہازوں کو دیکھنے سے پہلے یہ امید تھی کہ تم بچ نکلو گے۔"

"ہاں! میرا خیال تھا کہ بہت جلد مسٹر جیتال جہاز پہ ہونے

والی تبدیلی کو بھانپ لیں گے اور تم لوگوں پر قابو پا لیں گے۔"

"اوہ! تب تو تمہارا خیال غلط ثابت ہوا... ہمیں افسوس ہے۔"

عین اسی وقت انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ انسپکٹر جمشید نے جھپٹ کر محمود کا چاقو اپنے ہاتھ میں لے لیا:

"محمود، فاروق، فرزانہ تیار ہو جاؤ، شاید جیتال معاملے کو بھانپ چکا ہے۔"

"آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں کیا پروا ہو سکتی ہے۔" محمود نے لاپروائی سے کہا۔ انسپکٹر جمشید فوراً دروازے کے ساتھ والی دیوار سے لگ گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ ابھی محمود کے الفاظ ختم ہوئے ہی تھے کہ جیتال اور اسابیہ اندھا دھند اندر داخل ہوئے.... انسپکٹر جمشید کمال پھرتی سے چاقو بائیں ہاتھ میں لیا اور دایاں ہاتھ جیتال کے پستول کی پیٹھ پر ڈال دیا، ایک ہی جھٹکا پستول کو ان صاف ہاتھ میں لے آیا۔ ساتھ ہی انہوں نے چاقو اسابیہ کے پیٹ سے لگا دیا اور بولے:

"یہ چاقو شعاعی پستولوں کی طرح ناکارہ نہیں ہے، ہڈی کو بھی موم کی طرح کاٹ دیتا ہے.... محمود.... اسابیہ کا پستول

نکال لو۔"

محمود نے ہاتھ پستول کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ اسابیہ سانپ کی طرح بل کھا کر پلٹی اور محمود کے منہ سے ایک ہولناک چیخ نکل گئی۔ اسابیہ نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا تھا، لیکن اس دوران فرزانہ کام دکھا گئی۔ اس نے محمود کی پروا نہ کرتے ہوئے اسابیہ کی پیٹی سے پستول نکال لیا۔

"ٹھیک ہے ..... تم لوگ پیچھے ہٹ جاؤ ..... میں ان دونوں سے خود ہی نبٹ لوں گا ..... میرے چاقو کے ہاتھ انہیں مدتوں نہیں بھولیں گے۔" انسپکٹر جمشید چاقو کو ہاتھ میں تولتے ہوئے اس طرح جھک گئے جیسے مرغے آپس میں لڑتے ہوئے جھکتے ہیں۔

جیتال اور اسابیہ نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر جیتال نے پرسکون آواز میں کہا۔

"یہ ہماری غلطی ہے کہ نیچے آرام کرتے رہے، ہمیں تو گویا ہر وقت ڈیک پر رہنا چاہیے تھا، دوسری غلطی یہ کی کہ ہوائی آواز سن کر کیبن میں گھس آئے ..... اپنی طرف بڑھنے والے دشمنوں کو دیکھ کر ہمیں اتنا بدحواس نہیں ہو جانا چاہیے تھا۔"

"خیر کوئی بات نہیں ..... ہم اب بھی کچھ نہیں ہارے ..... آج کی شکست انسپکٹر جمشید کو زندگی بھر یاد رہے گی ....." اسابیہ

نے کہا اور انجن روم کی دیوار پر لگا ایک بٹن اس پھرتی سے دبایا کہ انسپکٹر جمشید کو بھی سوچنے سمجھنے کا موقع نہ مل سکا۔ آن کی آن میں انجن روم میں ایک کھڑکی سی نمودار ہوئی، دوسرے ہی لمحے اسابیہ کسی پرندے کی طرح اڑتی ہوئی اس میں سے نکل کر پانی میں کود گئی۔

"ارے!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔ اس کے ساتھ ہی جیتال نے بھی اسابیہ کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ انسپکٹر جمشید کا چاقو والا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ وہ تیزی سے باہر نکلے اور ڈیک پر آئے، نیچے جھک کر دیکھا، لیکن پانی نے جیتال اور اسابیہ کو اس طرح نگل لیا تھا جیسے وہ پانی میں کودے ہی نہیں تھے۔

جنگی جہاز لمحہ بہ لمحہ نزدیک آتے جا رہے تھے ..... عین اسی وقت انہوں نے ڈیک پر شور سنا ..... نیچے موجود عملے کے آدمی شور مچاتے ہوئے ان کی طرف آ رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، شعاعی پستول ان کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ فوراً ہی کئی بھیانک چیخیں گونجیں اور باقی لوگ واپس بھاگے ..... تین آدمیوں کو انہوں نے گرتے دیکھا۔ میدان صاف پا کر جب وہ ان تینوں کے قریب پہنچے تو وہاں صرف ان کے کپڑے موجود تھے، جسموں کی جگہ کوئی سیال سی چیز بہہ رہی تھی۔

اور پھر جنگی جہاز اس جہاز سے آ لگے.... کپتان کو ساحل کی طرف چلتے رہنے کا حکم دیا گیا۔ بہت سے فوجی اوپر چڑھ آئے۔ انسپکٹر جمشید کی ہدایات پر انہوں نے پہلے عملے پر قابو پایا اور پھر سامانِ تجارت کی چند پیٹیاں اوپر اٹھا لائے۔

" انہیں کھولیے..... ذرا دیکھیں تو سہی.... یہ لوگ تقریباً دو سال سے ہمارے ملک کی کونسی دولت لے جاتے رہے ہیں۔"

پیٹیوں کو کھولا گیا .... ان میں کھیلوں کا سامان بھرا ہوا تھا .... لیکن جب کھیلوں کے سامان کو درمیان سے توڑا گیا تو انسپکٹر جمشید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ان سب میں یورنیم بھرا ہوا تھا:

میرے خدا.... یہ تو شاید یورنیم ۲۳۵ ہے.... دنیا کی قیمتی ترین دھات جو اتفاق سے ہمارے ملک میں دریافت ہو گئی ہے، لیکن شاید اس کی کانوں کا ٹھیکیدار بے ایمان ہو گیا ہے، ہماری حکومت کو بہت تھوڑی سی مقدار تھما کر باقی سب کی سب باہر بھیج رہا ہے اور اس طرح بے تحاشہ دولت کما رہا ہے..... خیر.... اس کی فوری گرفتاری کا بندوبست ساحل پر اترتے ہی کروں گا۔"

" اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیتال اور اسابیہ آخر کو فرار ہونے میں بھی کامیاب ہو گئے۔" محمود مایوسانہ لہجے میں بولا: وہ جلد

سی ہوش میں آ گیا تھا۔

" ہاں! لیکن اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم نے ایک ایسی غیر قانونی تجارت کا پتا لگایا ہے جو دو سال سے ہو رہی تھی .... اور جس سے ملک کو حد درجے نقصان پہنچ رہا تھا" فرزانہ نے کہا۔

" ہاں! لیکن میرے نزدیک اس کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ایک بار پھر جیتال اور اسابیہ سے ٹکرانے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے...." فاروق نے معصومی صورت بنا کر کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

محمود، فاروق، فرزانہ
اور انسپکٹر جمشید

آفتاب، آصف، فرحت
اور انسپکٹر کامران مرزا

کا مشترکہ ناول نمبر ۴۳

۲۰ ستمبر کو [illegible]

تیسرا تہلکہ آمیز خاص نمبر

وادیٔ دہشت

مصنف : اشتیاق احمد

- ۵۵۰ صفحات تقریباً ضخامت
- ایک ہزار روپے کا نقد انعام، اشتیاق احمد کے منتخب کردہ جملہ سب سے پہلے بھیجنے والے کو دیا جائے گا۔
- ماہ اکتوبر میں خاص نمبر کے ساتھ کوئی اور ناول شائع نہیں ہوگا۔ آپ صرف یہ خاص نمبر ہی پڑھ سکیں گے۔ کیونکہ اس کی ضخامت کے پیش نظر قیمت -/۱۵ روپے رکھی گئی ہے۔
- اپنی کاپی کی ایڈوانس بکنگ پہلے ہی کرا لیں، کہیں ایسا نہ ہو آپ ہاتھ ملتے رہ جائیں۔ آپ اپنے بک سٹالوں پر بکنگ کرا سکتے ہیں، یا پھر -/۱۵ روپے کا منی آرڈر

مکتبہ اشتیاق کو بھیج کر گھر بیٹھے بھی حاصل کر سکتے ہیں، لیکن منی آرڈر یکم ستمبر تک موصول ہو جانے چاہئیں۔

اور اب ناول کی جھلکیاں

★ محمود، فاروق اور فرزانہ نے انسپکٹر جمشید کا گھیراؤ کرنے کا اعلان کر دیا۔
★ گھیراؤ کی خبر سن کر خان رحمان ان کے گھر دوڑ پڑے۔
★ پروفیسر داؤد بھی ان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، لیکن وہاں تک پہنچ نہ سکے...
.....آخر کیوں ؟
★ ملک کے مشرقی حصے سے ایک پراسرار آدمی کی آمد۔
★ پراسرار آدمی پر ایک شخص کا حملہ.....اسے بچاتے ہوئے اکرام کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔
★ حملہ آور کی جیب سے نکلنے والی چیز انتہائی عجیب تھی۔
★ انسپکٹر کامران مرزا نے ایک خطرناک ہوٹل میں شامت کو آواز دے ڈالی، منور علی خان ــــ انہیں موت کے منہ میں جاتے دیکھ کر بے تاب ہو گئے۔
★ ایک اور بڑے مجرم سے ملیے.... آپ نے اس کا صرف نام ایک ناول میں سنا تھا۔
★ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا پارٹیوں کی آپس میں ملاقات عجیب وغریب اور دلچسپ ترین انداز میں ہوئی..... آپ قدم قدم پر مسکرائیں گے۔
★ ایک پراسرار ریسٹ ہاؤس جو بعد میں خونی ریسٹ ہاؤس ثابت ہوا۔

★ انہیں اس ریسٹ ہاؤس میں چند دن گزارنے پڑے ....

★ شمبولیا — ایک ملک جو آگ کا سمندر بن گیا۔

★ ایک پراسرار چوری کی واردات .... چور کا نام جان کر آپ — اچھل پڑیں گے۔
نشانہ بازی کا ایک حیرت انگیز مقابلہ۔

★ گلیشیر کے نیچے آبدوز میں سفر — سفر کے دوران آبدوزوں کی جنگ — اور پھر سمندر میں آگ لگ گئی۔

★ آبدوز پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

★ ایک ہولناک جزیرے پر ایک حیرت انگیز ملاقات ، اس جزیرے پر ایک ہولناک ڈرامہ کھیلا گیا۔

★ برف سے بنی ایک وادی کے چوک میں برف کے ستونوں سے چھ لاشیں لٹک رہی تھیں۔

★ اس بار انسپکٹر جمشید بھی آپ کو دو باتیں سنائیں گے۔

★ ایک ایسی وادی کی کہانی .... جہاں وہ بے بس تھے ، ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا ، اور انہیں چار سو مسلح آدمیوں سے جنگ لڑنا تھی ۔ یہ جنگ کس طرح لڑی گئی ......

★ محمود ، فاروق ، فرزانہ ، آفتاب ، آصف اور فرحت کی شوخیوں اور شرارتوں کے طوفان سمیٹے ایک ضخیم ناول ۔

مکتبہ اشتیاق ۔ راجپوت مارکیٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

اندھی قید کا انعامی سوال

جواب یہ تھا :

الماری کے پیچھے

صرف ایک جواب درست موصول ہوا ، نام پتا درج ذیل ہے۔ انہیں انعام روانہ کیا جا رہا ہے ۔

معاذ مفتی صاحب

۱۳۶/۱ - الابرار پیلس

کورٹ روڈ ۔ گجرات

کرداروں سے سوال

اس مرتبہ درج ذیل تین ناموں کو انعام کا حق دار قرار دیا گیا ہے، انہیں انعامی پیکٹ روانہ کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ بلقیس بانو R ۴۲/۲ گراؤنڈ فلور P.E.C.H.S کراچی ۲۹
۲۔ سید فیصل علی۔ ۱۷ عالم گیر روڈ۔ اسلام پورہ لاہور
۳۔ شہناز جلیل۔ جلیل صاحب۔ شوگر مل میر پور خاص

نوید۔ ناظم آباد نمبر ۳۔ کراچی

س: اشتیاق بھائی! فاروق سے ذرا یہ پوچھ دیں کہ محاوروں کی چٹنی کس طرح بنتی ہے مجھے چٹنی بہت اچھی لگتی ہے۔

ج: تو خود کیوں نہیں پوچھ لیتے۔

ربیع احمد۔ وحدت کالونی۔ لاہور

س: جب ڈی آئی جی صاحب، خان رحمان اور پروفیسر صاحب نے فاروق اور فرزانہ کو انعامات دیے تو آپ کیا محسوس کر رہے تھے۔

ج: یہ کہ باکسنگ کی مشق نہ کر کے میں نے خود اپنا نقصان کیا ہے۔

خالد فرید عباسی۔ کراچی

س: انکل محمد یوسف خان! آپ انکل کامران مرزا کی جاسوسی میں مدد کریں گے یا دوبارہ کاروبار کرنے کا ارادہ ہے۔ انجام تو دیکھ چکے ہیں۔

ج: میرا جاسوسی سے کیا واسطہ؟

محمد فیاض قریشی۔ راولپنڈی

س: فاروق بھائی! کیا آپ مجھ سے بحث میں جیت سکتے ہیں؟

ج: بحث سے پہلے کیا کہہ سکتا ہوں۔

سید رضا حیدر۔ کراچی

س: انکل جمشید! ابھی آپ اور کتنے مجرموں کو پکڑیں گے، اب تو جیلیں بھی بھر گئی ہوں گی؟

ج: بھئی! ہمارے ملک کی جیلیں اتنی مختصر نہیں ہیں۔

وسیم اختر۔ عزیز آباد کراچی

س: فاروق بھائی! کیا بات ہے، آپ جب بھی کسی کیس کو ہاتھ لگاتے ہیں، سکول جانا بھول جاتے ہیں؟

ج: نہیں تو! سکول جانا تو ہمیشہ یاد رہتا ہے۔

سید فیصل علی۔ ۱۷ عالم گیر روڈ۔ اسلام پورہ لاہور

س: اب تو آپ نے موٹر سائیکل لے لیا ہے، آپ اس کا سپیڈو میٹر نا پنے کا آلہ اتار کر اپنی زبان سے لگائیں، نوٹ کریں کہ ایک کیس میں کتنی چلی اور

ج : کیا!!!

محمد علی خالد ۔ راولپنڈی ۔

س : جناب ظہور احمد! آپ اس دنیا میں کب ظہور میں آئے؟

ج : اپنی پیدائش کے دن ۔

خالد فرید عباسی ۔ کراچی

س : انکل اشتیاق! کیا چکر ہے، کہانیوں کے ٹائیٹل بہت اچھے آرہے ہیں، کہیں آپ نے چغتائی صاحب پر کسی قسم کا دباؤ تو نہیں ڈالا؟

ج : دباؤ تو ضرور ڈالا ہے، شکر کریں کہ انہوں نے میرا دباؤ قبول کر لیا، ورنہ میں بہت ہلکا پھلکا آدمی ہوں ۔

بلقیس بانو ۔ گراؤنڈ فلور ۲/۲۴ P.E.C.H.S کراچی ۲۹

س : انکل یہ جو آپ ظہور کے کان پکڑوا کر اسے مرغا بنا دیتے ہیں، کہیں آپ اپنے سکول کی یاد تو تازہ نہیں کرتے ۔

ج : حیرت ہے ، یہ بات صرف آپ نے کیسے بھانپ لی!

شہناز جلیل معرفت جلیل صاحب شوگر مل، میرپور خاص

س : فرزانہ! کہیں آپ میری کھوئی ہوئی بہن تو نہیں ہیں، کیونکہ میرے کان بھی بہت تیز ہیں ۔

ج : لیکن میرے ابا جان کے ہاں تو صرف ایک ہی بیٹی پیدا ہوئی تھی ۔

عروسہ سلام ۲/۱۰۹ بلاک اے ۔ نارتھ ناظم آباد ۔ کراچی

س : انکل جمشید! آپ کو کھانے میں کیا ڈش پسند ہے ۔ ہم آپ کو پکا کر بھیجیں

اور پھر مجھے بتائیں ۔

ج : معلوم ہوتا ہے، آپ یہ تجربہ کر چکے ہیں ۔

توصیف خان ۔ راولپنڈی ۔

س : فاروق صاحب ؛ باکسنگ میں فرزانہ کے تابڑ توڑ مکے کھا کر تو آپ کی سٹی گم ہو گئی ہوگی ۔

ج : ادھر فرزانہ کے بھی تو ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے تھے ۔

پرنس آف ڈھمپ ۔ سرگودھا

س : انکل اشتیاق ! کبھی آپ نے اشتیاق احمد کی کتابیں پڑھیں ۔

ج : وہ بے چارہ کتابیں لکھنا کیا جانے ۔

احسان بھٹہ ۔ لاہور

س : محمود بھائی ! کیا آپ کی یادداشت ختم ہو گئی تھی کہ دہری چال میں دھت تیرے کی کہہ ہاتھ اپنی ران پہ مارنے کی بجائے فاروق کی ران پر مار دیا تھا؟

ج : یادداشت ختم نہیں، بس ذرا پھسل گئی تھی ۔

محمد عامر نصیر ۔ راولپنڈی

س : انکل ! آپ کی پتلون تو درزی رفو کر کر کے تنگ آگیا ہو گا، کیا ٹھیک ہے ۔

ج : یہ کام تو میری بیگم ہی کر لیتی ہیں ۔

جنید رشید ۔ لاہور

س : انکل اشتیاق ! آپ کو لفظ کیا!!! سے اتنی محبت کیوں ہے کہ ہر ناول میں "کیا" نہ جانے کتنی مرتبہ آتا ہے ۔

گے، لیکن کامران مرزا بُرا نہ مان جائیں۔

ج: بھئی وہ کیوں بُرا مان جائیں گے، انہیں بھی بلا لیں گے۔

عمران احمد بزنس روڈ۔ کراچی

س: فرزانہ صاحبہ! آپ تینوں سوٹ کیس کا سفر میں ایک دوسرے کو اُلّو کیوں بنا رہے تھے، کیا کبھی اُلّو نہیں دیکھا۔

ج: جی نہیں، دیکھ لیا ہے۔

صائمہ وزیر علی

س: انکل جمشید سنا ہے، سو سال بعد روڑی کے دن بھی پھرتے ہیں، لیکن آپ کو اتنے کارنامے انجام دینے کے باوجود ترقی کیوں نہیں ملی۔

ج: سو سال بعد نہیں، بارہ سال بعد، کیا آپ کو میرے دن بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ میں تو ہر طرح مطمئن ہوں

بلقیس بانو، رضیہ نائلہ وغیرہ۔ کراچی

س: اشتیاق انکل! آپ کہانی لکھنے سے پہلے محاوروں سے ناشتا تو نہیں کرتے، جواب جھٹ پٹا دیجیے گا۔

ج: جی ہاں کرتا ہوں، آپ کو بھی دعوتِ عام ہے، جب جی چاہے، محاوروں کا ناشتا کرنے کے لیے تشریف لے آیئے، مایوس نہیں ہوں گی۔

عبدالناصر بی ۲۴۴ نثار روڈ۔ لاہور

س: انکل اشتیاق، محمود، فاروق اور فرزانہ آپس میں لڑتے کیوں رہتے ہیں۔

ج: یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے، انہی سے معلوم کریں۔